اقتدار میں
پرویز مشرف کے آخری
365 دن

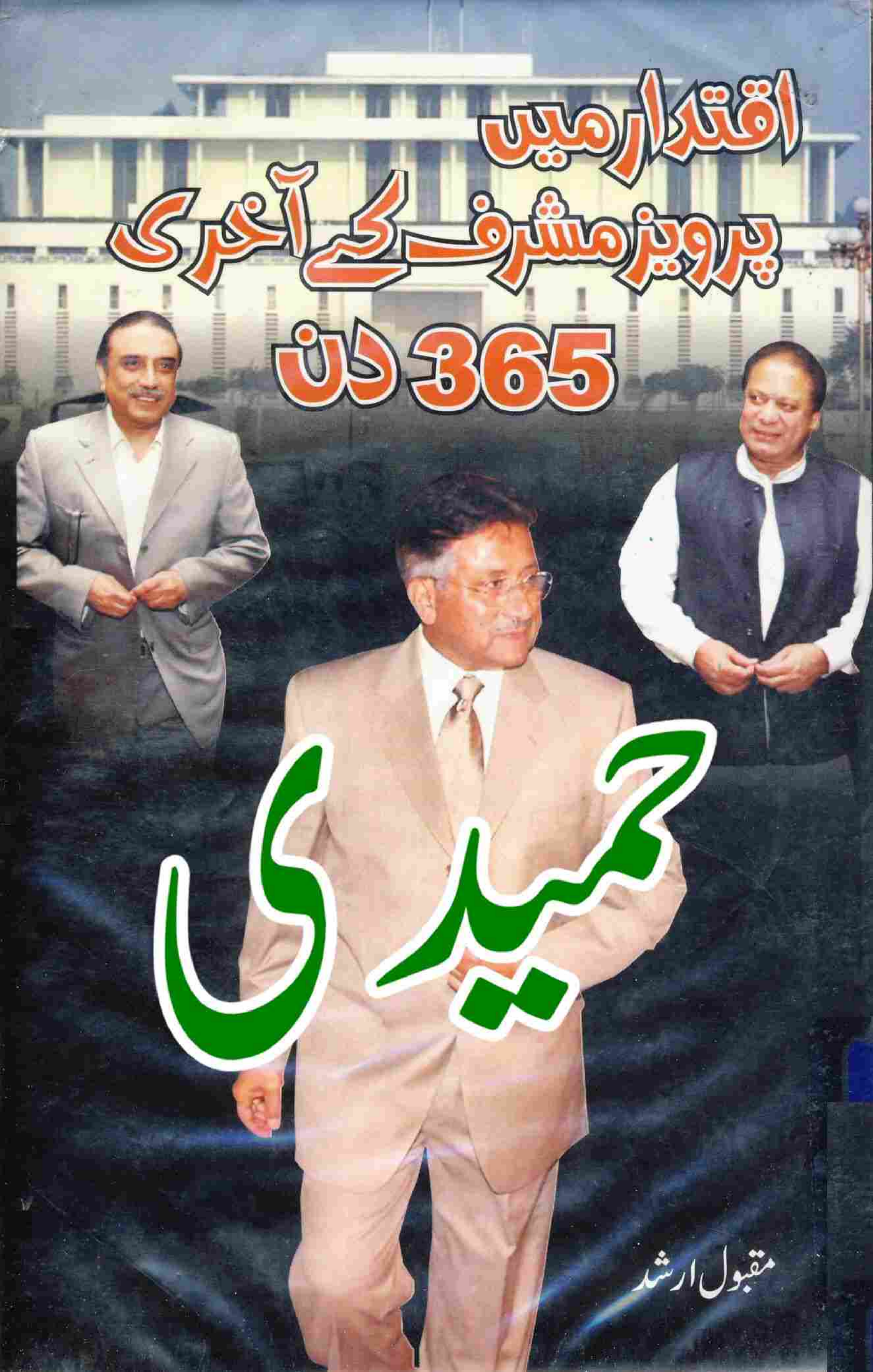

حمیدی

مقبول ارشد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اقتدار میں پرویز مشرف کے آخری 365 دن

حمیدی

مقبول ارشد

فیکٹ پبلیکیشنز

14/B علی پلازہ سیکنڈ فلور ٹیمپل روڈ لاہور فون: 042-6374538

Web site: www.factpublications.com

Emai: factpublications@fact.com.pk

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اس کتاب کا کوئی حصہ ناشر کی پیشگی اجازت کے بغیر شائع کرنے کی اجازت
نہیں ، ماسوائے تبصرہ کے
کرنا ضروری ہے۔

حمیدی

کتاب : اقتدار میں پرویز مشرف کے آخری 365 دن

مصنف : مقبول ارشد

ایڈیٹر : وسیم شیخ

کمپوزنگ : محمد حبیب

ڈیزائن : محمد اعظم

سن اشاعت : اگست 2008ء

قانونی مشیر : تیموری لاء ایسوسی ایٹس

13 فین روڈ لاہور فون 042-7323202

قیمت : Rs: 180/

FACT PUBLICATION is a department of the Fact group of publications. Its objective to promote creative work by book publishing. The group proude on supremacy in all fields, vast readership, credibility and symbol of positive journalism. If you Want to read group others Publications, click on www.fact.com.pk

فہرست

- پیش لفظ 5
- **مشرف**، 18 اگست 2007ء سے 18 اگست 2008ء تک 7
- 365 دنوں کی کہانی، حقائق کی زبانی 12
- مشرف نے نواز شریف اور بینظیر بھٹو سے کیا "ڈیل" کی؟ 13
- مشرف دوبارہ صدر کیسے بنے؟ 22
- مشرف کو آرمی چیف کے عہدے سے مستعفی ہونے پر مجبور کیسے کیا گیا؟ 29
- جنرل مشرف نے کیا غلطیاں کیں؟ 37
- عدلیہ سے جھگڑا، اصل مسئلہ کیا تھا؟ 50
- ایمرجنسی کیوں لگی؟ 58
- محترمہ بے نظیر بھٹو کو کس نے مارا؟ 66
- الیکشن 2008ء، انقلاب کیسے آیا؟ 80
- پرویز مشرف کی پریشانیاں 88
- مواخذے کا راستہ کیسے ہموار ہوا؟ 93

www.iqbalkalmati.blogspot.com

- مشرف نے استعفیٰ کیوں دیا؟ 103
- مشرف کی کرپشن کی کہانی، حقائق کی زبانی 125
- پرویز مشرف، اقتدار کی ٹائم لائن 140
- مستقبل 149

حمیدی

پیش لفظ

یہ کتاب پرویز مشرف کے اقتدار کے آخری 365 دنوں کی کہانی ہے۔ مشرف کا باوردی صدر انتخاب، لال مسجد آپریشن، عدلیہ کا بحران، ایمرجنسی کا نفاذ، بے نظیر بھٹو کا قتل، انتخابات 2008ء پیپلز پارٹی کی مشترکہ حکومت کا قیام، مشرف کے مواخذے کی کوششیں اور اسی دوران ان کا استعفیٰ گذشتہ ایک سال کے ایسے واقعات ہیں جو تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں لیکن ان کی اہمیت اور وقائع نگاری ہمیشہ ہوتی رہے گی۔

پرویز مشرف کے اقتدار کے آخری 365 دنوں میں پیش آنے والے ان واقعات کے پیچھے بھی ایک اور کہانی چل رہی تھی۔ یہ کہانی کیا تھی؟ اس کتاب میں اقتدار کے ایوانوں میں ہونے والی سازشوں کی اسی کہانی کو حقائق کے ساتھ منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب میں پوری تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ آخر کیوں پرویز مشرف کا 18 اگست 2007 سے 18 اگست 2008 تک کا سال پریشانیوں سے بھرپور گزرا؟

18 اگست 2008ء سے ایک سال پہلے تک کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مشرف کے لئے ایسے حالات و واقعات پیدا ہو جائیں گے کہ انہیں استعفیٰ دینا پڑے گا۔ وہ تو 2012ء تک صدارت کے منصب پر فائز رہنے کا ذہن بنا کر بیٹھے تھے۔ صرف چند ماہ میں ہی اتنا بڑا انقلاب کیسے آگیا؟ وہ کیا عوامل تھے جن سے مجبور ہو کر مشرف کو مستعفی ہونا پڑا۔ اس بارے میں بہت سی ایسی باتیں منظر عام پر آئی ہیں جو حقائق سے کوسوں دور ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ان واقعات کو منظر عام پر لاؤں جو حقیقت میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔

اس کتاب کے کچھ حصے میں نے اپنی کتاب ''جرنیل بیتی'' سے بھی لئے جو پاکستان کے متنازعہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ترین جنرل جنرل (ر) پرویز مشرف کی زندگی کی منفرد داستان ہے۔ ''جرنیل بیتی'' کو پرویز مشرف کی معلومات سے بھرپور بائیوگرافی کہا جا سکتا ہے۔ جو لوگ جنرل مشرف کے بارے میں مزید کچھ پڑھنا چاہتے ہیں وہ میری کتاب ''جرنیل بیتی'' پڑھ سکتے ہیں۔ جسے اخبارات و جرائد نے ایک بھرپور، جامع اور مستند ترین کتاب قرار دیا ہے۔ ''جرنیل بیتی'' آنے کے بعد مجھ پر کیا بیتی تھی؟ یہ ایک علیحدہ داستان ہے جس کا کچھ تذکرہ میں نے ''جرنیل بیتی'' کے نئے ایڈیشن میں کیا ہے۔

''جرنیل بیتی'' آنے کے بعد مشرف کے ایک 'وفادار' نے مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے کہا تھا کہ اب تمہاری کوئی کتاب نہیں آنی چاہیے۔ میں نے اس دھمکی کو غیر سنجیدگی سے لیا تو اس ''وفادار'' نے اپنے اختیارات کی ایک جھلک مجھے دکھائی۔ چنانچہ 2005ء تک میری کوئی کتاب تو سامنے نہیں آئی لیکن اس کا حل بھی میں نے نکال لیا۔

حکمران اقتدار میں آنے کے بعد یہ نہیں سوچتے کہ حاکمیت کے دن تھوڑے ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اب رہتی دنیا تک انہی کا راج ہوگا اسی لئے وہ اپنی آخرت کی فکر نہیں کرتے اور نہ ہی یہ سوچتے ہیں کہ چند سال بعد ان کے پاس یہ تخت و تاج نہیں ہوگا۔ مشرف کے استعفیٰ کے بعد ان کے اس ''وفادار'' کا آج کہیں اتہ پتہ نہیں۔

المیہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی بڑا واقعہ رونما ہوتا ہے تو اخباری تراشوں سے تیار کی گئی کتابوں کی بھرمار لگ جاتی ہے۔ اس طرح اچھا اور منفرد کام کرنے والوں کا کام بھی دب جاتا ہے۔ تاہم قارئین اس فرق کو پہچانتے ہیں۔ اس کتاب کا قاری اگر ''جرنیل بیتی'' بھی پڑھ لے تو میرا خیال ہے کہ اسے اس موضوع پر کوئی تشنگی نہیں رہے گی۔

مقبول ارشد

لاہور

مشرف

18 اگست 2007ء سے

18 اگست 2008ء تک

18 اگست 2007ء کا دن تھا اور دوپہر ایک بج کر تیس منٹ ہوئے تھے۔ ملک میں جنرل پرویز مشرف کے اقتدار کا سورج پورے طمطراق سے چمک رہا تھا۔ ملک میں آئین اور قانون کی نہیں بلکہ جنرل پرویز مشرف کی حکمرانی تھی۔ جنرل مشرف اس روز پنجاب کے تین روزہ دورے کے سلسلے میں لاہور میں تھے۔

آنے والے وقت میں کیا ہوگا، یہ انسان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس روز بلند بانگ دعویٰ کرتے ہوئے جنرل مشرف بھی نہیں جانتے تھے کہ ٹھیک ایک سال بعد کیا ہوگا اور ایک سال بعد 18 اگست 2008ء کو عین اسی وقت وہ مستعفی ہونے کا اعلان کر رہے ہوں گے۔

18 اگست 2008ء سے 365 دن پیچھے چلتے ہیں جب 18 اگست کا دن تو تھا لیکن سال 2007 تھا۔ اس روز ان کے ساتھ اسپیکر قومی اسمبلی چوہدری امیر حسین، صدر پاکستان مسلم لیگ چوہدری شجاعت حسین، گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل (ر) خالد مقبول، وزیراعلیٰ چوہدری پرویز الٰہی، وفاقی اور صوبائی وزرا اور ضلعی ناظمین بھی موجود تھے۔ لیکن 18 اگست 2008ء کے روز ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ وہ تنہا ہو چکے تھے۔

جنرل پرویز مشرف اس روز 90 شاہراہ قائداعظم میں قصور، اوکاڑہ، شیخوپورہ، گوجرانوالہ،

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حافظ آباد، نارووال، سیالکوٹ اور گجرات اضلاع کے ارکان قومی و صوبائی اسمبلی اور ضلعی ناظمین سے خطاب کر رہے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ میں ملک کے مفاد کیلئے کام کر رہا ہوں اور اس لیے وردی میں دوبارہ صدر منتخب ہونا چاہتا ہوں، میرے لیے صدارتی انتخاب کوئی مسئلہ نہیں کیونکہ ارکان اسمبلی میرے ساتھ ہیں، عوام کی ترقی، خوشحالی اور حفاظت کو یقینی بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے، میں کسی سے ڈکٹیشن نہیں لیتا، ڈیل کی باتوں پر دھیان نہ دیا جائے، حکمراں جماعت الیکشن سے پہلے اپنے اندر کے اختلافات ختم کرے اور اس کے بعد میدان میں اترے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ پاکستان کے بارے میں کسی سے ڈکٹیشن نہیں لیتے اور تمام فیصلے ملکی مفاد میں کیے جاتے ہیں۔ جنرل مشرف کا اس روز دعویٰ تھا کہ اراکین اسمبلی ان کے ساتھ ہیں لہٰذا صدارتی انتخاب کوئی مسئلہ نہیں۔

یہ اور بات ہے کہ جب اگست 2008ء کے پہلے ہفتہ میں چاروں صوبائی اسمبلیوں نے ان کے خلاف قرارداد منظور کر کے انہیں اعتماد کا ووٹ لینے کو کہا تو مسلم لیگ (ق) کے انہی ارکان اسمبلی میں سے صرف 29 ارکان نے ان کا ساتھ دیا۔

جنرل پرویز مشرف نے اس روز یہ بھی کہا کہ وہ ملکی مفاد میں دوبارہ صدر منتخب ہونا چاہتے ہیں۔ وہ عدلیہ سے ٹکراؤ نہیں چاہتے اسی لیے عدالتوں نے جو فیصلے کیے انہوں نے قبول کر لیے۔ یہ اور بات ہے کہ جب 3 نومبر 2007 کو جب انہیں یہ محسوس ہوا کہ سپریم کورٹ وردی میں انتخاب کے مسئلہ پر ان کے خلاف فیصلہ دینے والی ہے تو انہوں نے قانون توڑتے ہوئے آئین کی بساط ہی بدل دی۔ انہوں نے ملک بھر میں ایمرجنسی لگا کر اور چیف جسٹس سمیت سپریم کورٹ کے کئی ججوں کو معطل کر کے اپنے تمام اقدامات کو تحفظ دینا چاہا لیکن ان کا یہی اقدام ان کے گلے پڑ گیا۔ اس کے بعد بھی وہ غلطیوں پر غلطیاں کرتے چلے گئے اور یہی غلطیاں ان کے اقتدار میں آخری کیل ثابت ہوئیں۔

جنرل مشرف اپنے ان غیر قانونی اقدامات کے نتیجے میں سیاسی طور پر بھی تنہا ہوتے چلے گئے اور ان کا ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ ''سب سے پہلے اپنی کرسی بچا'' میں بدل گیا۔

پرویز مشرف کے اقتدار کے ماہ ایام کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بحرانوں سے

بالکل نہیں گھبرائے۔ 12 اکتوبر 1999 کو جب انہوں نے جمہوری حکومت کو ختم کر کے اقتدار سنبھالا ان کے اقتدار کے ایام میں کئی نشیب و فراز آئے لیکن 9 مارچ 2007 کو چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو غیر فعال کرنے کے ساتھ ہی ان کے زوال کی کہانی کا آغاز ہو گیا۔ مشرف نے 9 مارچ کو چیف جسٹس کیخلاف آئین کے آرٹیکل 209 کے تحت سپریم جوڈیشل کونسل میں ریفرنس دائر کیا لیکن 9 مارچ کے روز صدارتی کیمپ آفس میں استعفیٰ سے انکار نے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو ایک ہیرو کے طور پر پیش کیا۔ وکلاء، سیاسی جماعتیں، سول سوسائٹی سمیت ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے فرد نے چیف جسٹس کی بحالی کی تحریک میں شرکت کی۔ وکلاء کی تحریک نے ملک کی سیاسی صورتحال میں ایک ہلچل مچا کر رکھ دی۔ اس تحریک کی بدولت ایک باوردی صدر کے خلاف گلی کوچوں میں گو مشرف گو کا نعرہ زبان زد عام ہو گیا۔ اس تحریک کے دوران مشرف نے اپوزیشن کی سیاسی جماعتوں کے ساتھ مصالحت کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنا مستقبل محفوظ بنانے میں مصروف ہو گئے۔ مشرف نے 20 جولائی 2007 کو ابوظہبی میں بینظیر بھٹو سے ملاقات کی لیکن اس ملاقات میں کوئی بریک تھرو نہ مل سکا جس کے بعد مشرف کو دوبارہ 5 سال کیلئے کرسی صدارت سنبھالنے کی فکر لاحق ہو گئی۔ 6 اکتوبر کے صدارتی انتخابات میں پرویز مشرف کو اسمبلیوں نے آئندہ 5 سال کیلئے صدر منتخب کر لیا لیکن ان کی کامیابی کا نوٹیفکیشن جاری نہ ہو سکا کیونکہ سپریم کورٹ نے نوٹیفکیشن کے خلاف حکم امتناعی جاری کر دیا تھا۔ صدر کی اہلیت کا کیس سپریم کورٹ میں جسٹس جاوید اقبال کی سربراہی میں لارجر بنچ کے روبرو زیر سماعت تھا کہ صدر نے بطور آرمی چیف 3 نومبر کو ایمرجنسی نما مارشل لاء لگا کر عدلیہ کے 60 ججوں کو معزول کر دیا۔ اس اقدام سے صدر کے خلاف وکلاء نے ایک مرتبہ پھر احتجاج کا راستہ اپنایا اور جلسے جلوس، ریلیاں، سیمینار، لانگ مارچ کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

10 جولائی 2007 سے شروع ہونے والے لال مسجد کے سانحے اور بے نظیر بھٹو کے قتل نے بھی مشرف کے مخالفین کی فہرست میں اضافہ کر دیا۔ اس کے علاوہ بلوچستان، وزیرستان آپریشن کی بدولت نفرت اس حد تک بڑھ گئی کہ ملک میں خودکش حملوں کا سلسلہ چل نکلا۔

ان تمام واقعات نے 18 فروری 2008 کو ہونے والے عام انتخابات میں مشرف حامی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جماعتوں کی شکست نے سیاسی منظر نامہ بدل کر رکھ دیا۔ صدر پرویز مشرف کی حامی جماعت مسلم لیگ ق کو بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا اور انتخابات کے نتیجے میں مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی سمیت دیگر جماعتوں کے مشترکہ امیدوار سید یوسف رضا گیلانی نے 25 مارچ 2008ء کو وزیر اعظم کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ وفاق اور صوبوں میں مخالف حکومتوں کے باوجود مشرف کے استعفٰی سے انکار نے پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز کو پریشان ضرور کیا لیکن دونوں بڑی سیاسی جماعتوں نے ہار نہیں مانی اور تمام عوامی مسائل چھوڑ کر اپنی تمام تر توجہ جنرل مشرف کو ایوان صدر سے نکالنے پر مرکوز کر لی۔ دونوں کا ایک ہی ایجنڈا تھا کہ کسی بھی طرح مشرف کو مستعفی ہونے پر مجبور کیا جائے۔ پرویز مشرف کی حمایت یافتہ مسلم لیگ ق اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پارٹنر بھی ان کی کچھ مدد نہ کر سکے۔ حکمران اتحاد نے 7 اگست 2008 کو صدر پرویز مشرف کے مواخذے کا اعلان کیا لیکن اس مواخذے کی نوبت ہی نہ آئی اور 18 اگست 2008 کو مشرف کے زوال کی کہانی اختتام پذیر ہوگئی۔

18 فروری 2008ء کے انتخابات کے 181 دن بعد 18 اگست کو چھ ماہ کی محلاتی سازشوں کے نتیجے میں جنرل مشرف کو اس حد تک مجبور کر دیا گیا کہ انہوں نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح انہوں نے سابقہ حکمرانوں کی روش پر چلتے ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ جب تک کسی بھی حاکم کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں قصر صدارت سے جانے پر مجبور نہ کیا جائے تو وہ اس وقت تک خود جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ پرویز مشرف کی مدد کیلئے کوئی نہ پہنچا اور وہ استعفٰی کا اعلان کر کے ایوان صدر سے رخصت ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی صدر پرویز مشرف سابق صدر پاکستان کی حیثیت سے تاریخ کا ایک حصہ بن گئے۔

اس حساب سے دیکھا جائے تو پرویز مشرف کا حال بھی سابقہ حکمرانوں کی طرح ہی ہوا۔ پاکستان کی تاریخ میں صرف محمد علی جناح واحد سربراہ مملکت تھے جن کا بطور غیر متنازعہ گورنر جنرل انتقال ہوا۔ ان کے بعد جو بھی گورنر جنرل یا صدر آیا، اس نے غیر معمولی حالات میں ہی اقتدار چھوڑا۔ مثلاً گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین محلاتی سازشوں کا شکار ہو گئے۔ ان کے بعد اقتدار پر قابض ہونے والے گورنر جنرل غلام محمد ہاتھ، پاؤں اور زبان سے معذور ہونے کے باوجود استعفٰی دینے پر تیار نہیں تھے۔ چنانچہ ایک دن انہیں دھوکے سے سرکاری گاڑی میں بٹھا کر ان کے گھر پہنچا

دیا گیا اور ان کی جگہ سکندر مرزا نے اقتدار سنبھال لیا اور پاکستان کے پہلے صدر بن گئے۔ دو برس بعد انہوں نے اپنے ہی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مارشل لاء لگا دیا۔ لیکن آئین کی پامالی انہیں راس نہ آئی اور صرف بیس روز بعد جنرل ایوب خان کے ساتھی جرنیلوں نے سکندر مرزا کی کنپٹی پر پستول رکھ کر ان سے استعفٰی لیا اور انہیں ایران بھجوا دیا۔ جہاں سے وہ لندن چلے گئے۔ یحیٰی خان کے بعد ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے صدر بنے۔ بعد ازاں انتخابات اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد انہوں نے وزارت عظمٰی سنبھالی اور فضل الٰہی چوہدری کو ایک بے دست و پا آئینی صدر بنا دیا۔ بھٹو کو انہی کے آرمی چیف جنرل ضیاالحق نے معزول کیا اور دو برس بعد پھانسی دے دی۔ جبکہ ضیاالحق نے فضل الٰہی چوہدری کو اقتدار سنبھالنے کے چند ماہ بعد ایک حکم نامے کے ذریعے گھر بھجوا کر عہدہ صدارت بھی سنبھال لیا۔ 17 اگست 1988ء کو ضیاالحق پراسرار فضائی حادثے میں ہلاک ہو گئے اور ان کی جگہ سینٹ کے چیئرمین غلام اسحاق خان نے سنبھالی۔ جب فاروق لغاری نے باقاعدہ صدر کا عہدہ سنبھالا تو انہوں نے بے نظیر بھٹو کی دوسری حکومت کو گھر بھیج دیا۔ لیکن بے نظیر کے بعد دوبارہ وزیر اعظم بننے والے نواز شریف نے عدلیہ کے معاملے پر محاذ آرائی کے دوران فاروق لغاری کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ انہیں بھی اپنی مدت پوری کرنے سے پہلے استعفٰی دینا پڑا۔ فاروق لغاری کی جگہ میاں نواز شریف نے اپنے با اعتماد آدمی محمد رفیق تارڑ کو صدر کے عہدے پر فائز کروایا۔ ان دونوں کو جنرل پرویز مشرف نے 12 کتوبر 1999ء کو اقتدار سنبھالنے کے بعد یکے بعد دیگرے چلتا کیا۔ آٹھ سال، دس ماہ اور چھ دن کی حکمرانی کے بعد مشرف بھی عوامی نمائندوں کی مواخذے کی تحریک کا سامنا نہ کر سکے اور ان سے بھی استعفٰی لے لیا گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پرویز مشرف کے اقتدار کے آخری 365 دنوں کی کہانی، حقائق کی زبانی

کب، کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ سازشوں کی ان کہی داستان

حمیدی

مشرف نے نواز شریف اور بینظیر بھٹو سے کیا "ڈیل" کی؟

"بے نظیر بھٹو اور نواز شریف دونوں چور ہیں۔ دونوں نے ملک لوٹا۔ یہ دونوں میرے ہوتے ہوئے تو واپس نہیں آسکتے۔"

یہ پرویز مشرف کے وہ ارشادات تھے جو انہوں نے مسلم لیگ (ق) کے سیاسی جلسوں سے خطاب کرتے ہوئے متعدد بار دوہرائے۔ اپنے قریبی دوستوں کی محفلوں میں بھی وہ اکثر انہی خیالات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ پھر وقت آیا کہ پرویز مشرف کو جو اقدامات کرنے پڑے وہ ان کے "ارشادات" کے بالکل برعکس تھے۔

وہ اس بات پر بھی راضی ہو گئے کہ 2008ء کے انتخابات کیلئے بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کو واپس آنے دیا جائے اور دونوں کو قومی سیاست میں کردار ادا کرنے کا موقع دیا جائے۔ اگرچہ ان کی حمایت یافتہ جماعت مسلم لیگ (ق) یہ چاہتی تھی کہ یہ دونوں راہنما وطن واپس نہ آئیں تاکہ سیاسی محاذ پر ان کے لئے مشکلات کھڑی نہ ہوسکیں تاہم پرویز مشرف پر بین الاقوامی برادری کا بہت دباؤ تھا۔

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ بینظیر بھٹو کو اقتدار میں لانے کیلئے مختلف عالمی قوتیں حرکت میں آئی تھیں۔ بے نظیر بھٹو کی واپسی بھی اسی وجہ سے عمل میں آئی۔ پرویز مشرف اور بے نظیر بھٹو کے درمیان ڈیل بھی انہی قوتوں نے کروائی۔ مسلم لیگ (ن) کے ساتھ جنرل مشرف کی ڈیل کا امکان تو اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب صدر پرویز مشرف نے اپنے ایک قریبی ساتھی بریگیڈ (ر) نیاز کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لندن نواز شریف سے ملاقات کے لئے بھیجا تھا لیکن بریگیڈ (ر) نیاز نے واپسی پر مشرف کو بتایا تھا کہ نواز شریف کے رویے میں لچک نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ وہ ڈیل کی بجائے موت کو ترجیح دیں گے۔ اس جواب کے بعد مسلم لیگ (ن) کے ساتھ بات چیت کا امکان تو بالکل ہی ختم ہو گیا۔ بے نظیر بھٹو کا نقطہ نظر نواز شریف سے ذرا مختلف تھا۔

یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اسٹیبلشمنٹ اور پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بینظیر بھٹو کے درمیان مفاہمت کرانے میں امریکہ کے دو معروف تھنک ٹینکس نے اہم کردار ادا کیا۔ ان تھنک ٹینک میں سابق امریکی صدر جمی کارٹر کا سنٹر فار ڈیموکریسی اور ہیریٹیج فاؤنڈیشن شامل ہیں۔ بعد ازاں ان کوششوں کو حتمی شکل دینے کیلئے امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ، برطانیہ خفیہ ایجنسی ایم آئی فائیو اور امریکی کانگریس کی نیشنل سکیورٹی کمیٹی کی سب کمیٹی نے بھی کردار ادا کیا اور پرویز مشرف کو مجبور کیا کہ وہ بے نظیر بھٹو سے ہاتھ ملائیں اور انہیں مستقبل کے سیاسی سیٹ اپ میں اکاموڈیٹ کریں۔ انہی کوششوں کی وجہ سے پرویز مشرف اور محترمہ بے نظیر بھٹو میں مفاہمت کی کوششوں کا آغاز ہوا اور معاملات ''ڈیل'' تک پہنچ گئے۔ تاہم بے نظیر بھٹو سے ''ڈیل'' کرنا مشرف کے لئے اتنا آسان نہیں تھا۔

پرویز مشرف اور محترمہ بے نظیر بھٹو کے درمیان اس ڈیل پر ایک انٹیلی جنس ادارے کو سب سے زیادہ تشویش تھی۔ اس انٹیلی جنس ادارے کا کہنا تھا کہ ڈیل دو دشمن ممالک میں جنگ کے بعد ایک دوسرے کے قیدیوں کی رہائی اور ایک دوسرے کے مفتوحہ علاقے واپس کرنے کے موقع پر ہوتی ہے۔ یہ وہی انٹیلی جنس ادارہ تھا جو اس سے قبل اپنی رپورٹوں میں بے نظیر بھٹو کو سکیورٹی رسک قرار دے چکا تھا۔ پھر وقت آیا کہ وہی انٹیلی جنس ادارہ حکومت کی طرف سے محترمہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ ڈیل کے معاملات فائنل کرنے لگا۔

حکومت کا بینظیر بھٹو سے پہلا رابطہ نومبر 2002ء میں ہوا تھا۔ ان سے رابطہ کرنے والوں میں جنرل ندیم تاج وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے رابطوں کا آغاز کیا تھا۔ جبکہ آخری رابطہ نیشنل سکیورٹی کونسل کے سیکرٹری اور صدر جنرل پرویز مشرف کے قابل اعتماد ساتھی طارق عزیز اور تین جرنیلوں نے کیا تھا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مفاہمت کے سلسلے میں صرف چند ماہ میں

بینظیر بھٹو سے براہ راست **25** مرتبہ رابطہ کیا گیا۔ نومبر **2002**ء میں بینظیر بھٹو نے جنرل ندیم تاج پر واضح کر دیا تھا کہ وردی کے ایشو پر کوئی بات نہیں ہوگی اور وہ باوردی صدر کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گی۔ تاہم اس ملاقات میں دونوں جانب سے مذاکرات کے دروازے کھلے رکھنے کا فیصلہ ہوا۔ آخری ملاقات میں وردی کا معاملہ آئندہ طے کرنے کیلئے چھوڑ دیا گیا۔ طے شدہ معاملات میں فری اینڈ فیئر الیکشن، آزاد اور خود مختار الیکشن کمشن اور متفقہ نگران حکومت کے علاوہ گرینڈ الائنس کا راستہ روکنے کے معاملات شامل تھے کیونکہ امریکہ اور برطانیہ کے مذاکرات کاروں کا خیال تھا کہ پاکستان کے ایک قومی ادارے کا ایک دھڑا گرینڈ الائنس بنوانا چاہتا ہے۔ یہ گرینڈ الائنس امریکہ مخالف ہوگا۔ جس کا کوئی طالع آزما فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مفاہمت کی تفصیل کے مطابق بینظیر بھٹو پر لازم تھا کہ وہ ایم کیو ایم سمیت سندھ، بلوچستان اور سرحد کے قوم پرست جماعتوں کے ساتھ انتخابی اتحاد قائم کرے گی۔ کیونکہ ایم کیو ایم اور قوم پرست ایسے کسی اتحاد میں شامل نہیں ہوں گے جس میں مذہبی جماعتیں شامل ہوں گی۔ لہٰذا بینظیر بھٹو کو قوم پرست جماعتوں کو قومی دھارے میں لانا تھا۔ اس سلسلے میں پاکستان پیپلز پارٹی کو سندھ، سرحد اور بلوچستان میں الیکشن کے دوران **WALK OVER** دینے کا فیصلہ کیا گیا جبکہ بینظیر کی جانب سے پنجاب میں مسلم لیگ (ق) کے ساتھ سیاسی یا انتخابی اتحاد سے انکار کے بعد پنجاب کو اوپن چھوڑ دیا گیا۔

یہ تمام معاملات تو طے ہو گئے لیکن پرویز مشرف گارنٹی چاہتے تھے جبکہ دوسری طرف بے نظیر بھٹو بھی شش و پنج کا شکار تھیں کہ اگر پرویز مشرف نے ''ڈیل'' کی پاسداری نہ کی تو ان کے لئے بڑی مشکلات پیدا ہو نا تھیں۔ یہی وجوہات تھیں کہ پرویز مشرف اور بینظیر بھٹو ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کر رہے تھے اور اس کے لئے انہیں ایک قابل قبول ضامن کی ضرورت تھی۔

حکومت بے نظیر بھٹو کو ایک طے شدہ حدود کے اندر ڈھیل جبکہ بے نظیر بھٹو زیادہ سے زیادہ رعایتیں چاہتی تھیں۔ مذاکرات کے کئی راؤنڈ کے بعد بے نظیر بھٹو کا یہ مطالبہ تو مان لیا گیا کہ نیب کا وہ شعبہ بند کر دیا جائے جو بھٹو خاندان کے خلاف کام کر رہا ہے اور خاص طور بھٹو خاندان کے خلاف کیسز کے حوالے سے مشہور افسر حسن وسیم افضل کو بھی تبدیل کیا جائے۔ لیکن مشرف بے نظیر بھٹو کا یہ مطالبہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے کہ انہیں فوری طور پر وطن واپس بھی بلایا جائے اور عام انتخابات

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں شرکت کی ضمانت کے بعد وزارت عظمٰی کے منصب پر بھی فائز کیا جائے۔ بے نظیر بھٹو اس بات پر بھی تیار تھیں کہ عدلیہ کے بحران میں پیپلز پارٹی اپنا کردار محدود کر لے گی اور حکومت کی مخالفت نہیں کرے گی، اس کے علاوہ وہ متحدہ مجلس عمل کی مخالفت جاری رکھتے ہوئے اپوزیشن کو حکومت کے خلاف متحد ہونے سے مسلسل روکے رکھے گی لیکن اس کے بدلے میں بے نظیر بھٹو آئندہ انتخابات کے حوالے سے جو یقین دہانیاں چاہتی تھیں وہ مشرف دینا نہیں چاہتے تھے۔ یہ بات کسی حد تک درست بھی ہے کہ خود مشرف کے لئے بھی بے نظیر کے خلاف تمام مقدمات ختم کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس عمل میں بہت سے قباحتیں تھیں۔

ان قباحتوں کو دور کرنے کا آغاز 20 جون 2004ء کو ہوا جس میں برطانیہ کے اس وقت کے وزیر خارجہ جیک سٹرا نے اہم کردار ادا کیا۔ اس روز بلیک برن میں برطانوی حکام کی جانب سے ایک نجی ظہرانے کا اہتمام تھا اور اس ظہرانے میں اس وقت کے برطانوی وزیر خارجہ جیک سٹرا نے بے نظیر بھٹو کو فون کر کے وزارت خارجہ کے دورے کی دعوت دی۔ اس دعوت کے بعد بے نظیر بھٹو برطانوی وزارت خارجہ پہنچی اور ان کی جیک سٹرا کے ساتھ ایک گھنٹے سے زائد کی ملاقات ہوئی۔ جیک سٹرا نے بے نظیر کو یقین دلایا کہ برطانوی حکومت پاکستان میں جمہوری نظام کی حمایت کرتی ہے لیکن انہوں نے ساتھ زور دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ مشرف بھی اتنے ہی ضروری ہیں جتنی جمہوریت۔ کہا جاتا ہے کہ بے نظیر بھٹو ان کی اس بات سے بہت مایوس ہوئیں لیکن ایک ہفتے کے بعد اسلام آباد میں برطانوی ہائی کمشنر مارک لائل گرانٹ مشرف کا خیر سگالی کا پیغام بے نظیر بھٹو کو پہنچانے کے لئے دوبئی پہنچ گئے جس میں مشرف نے کہا تھا کہ ان کے شوہر آصف زرداری کو جیل سے رہا کر دیا جائے گا۔ اس پیغام کا مقصد یہی تھا کہ بے نظیر بھٹو کو مشرف کے ساتھ کام کرنے پر غور کرنا چاہیے لیکن بے نظیر کو پھر بھی شک تھا۔

2005ء کے آغاز میں بے نظیر بھٹو کو پھر لندن میں وزارت خارجہ آنے کی دعوت دی گئی اور انہیں بتایا گیا کہ اس وقت مشرف سے جمہوریت کے مطالبات کیے جا رہے ہیں۔ اگر ملک میں انتخابات ہوتے ہیں تو یہ بے نظیر بھٹو کے جیتنے کے لئے ایک اہم موقع ہے لہذا وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ بے نظیر بھٹو بھی یہی چاہتی تھیں لیکن وہ امریکہ کی طرف سے مشرف کی حمایت پر پریشان

تھیں۔ امریکہ مشرف کا سخت حامی تھا کیونکہ صدر مشرف دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں امریکہ کے لئے اتحادی کا کردار ادا کر رہے تھے۔ جولائی 2005ء میں جب لندن بم دھماکوں میں 52 افراد ہلاک ہوئے تو ان بم دھماکوں کے بعد تین پاکستانی نژاد برطانویوں پر خود کش حملوں کی منصوبہ بندی کا الزام لگایا گیا۔

ان دھماکوں کے بعد بے نظیر بھٹو اور جیک سٹرا میں پھر مذاکرات ہوئے جس میں جیک سٹرا نے کہا کہ 2001ء میں مشرف نے کالعدم عسکریت پسندوں گروپوں کے خلاف کارروائی کا وعدہ کیا تھا لیکن عملی طور پر کوئی کارروائی نظر نہیں آ رہی۔ اس ملاقات میں بے نظیر بھٹو نے جیک سٹرا کو خبردار کیا کہ جب تک امریکہ مشرف کی حمایت ختم نہیں کرتا، مشرف اپنے وعدوں پر عملدرآمد نہیں کریگا۔ امریکہ کو چاہیے کہ وہ مشرف پر آزادانہ اور شفاف انتخابات کے لئے دباؤ ڈالے جس کے بعد جیک سٹرا نے بے نظیر پر واضح کیا کہ واشنگٹن پاکستان کی حمایت کی اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرے گا۔ چند ماہ بعد سال 2006ء کے آغاز میں بے نظیر بھٹو کو ایک نیا پیغام بھیجا گیا جس میں ان سے ان کے مطالبات کی فہرست مانگی گئی جس کے جواب میں بے نظیر نے ملک میں آزادانہ انتخابات، سیاسی قیدیوں کی رہائی، آزاد الیکشن کمیشن کے قیام اور آئین کی بحالی کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبات سامنے آنے کے بعد ڈیل کے لئے مشرف تیار نہ تھے لیکن اب امریکہ کے رویے میں تبدیلی آ گئی تھی اور اس نے مشرف کو انتخابات کے انعقاد پر راضی کر لیا تھا۔ اس کے بعد امریکی نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیاء رچرڈ باؤچر نے بھی بے نظیر پر زور دیا کہ وہ ماضی کی طرح گلیوں میں کارکنوں کے احتجاج کی حوصلہ افزائی نہ کریں جس پر بے نظیر نے اتفاق کر لیا اور اسی طرح صدر مشرف اور بے نظیر بھٹو کے درمیان خصوصی نمائندوں کے ذریعے رابطوں کا یہ سلسلہ ایک بار پھر چل نکلا۔

پیپلز پارٹی کی طرف سے مخدوم امین فہیم اور رحمٰن ملک جبکہ حکومت کی طرف سے طارق عزیز اور ایک سنیئر فوجی افسر نے دبئی میں ڈیل کے بارے میں مذاکرات کئے اور ایک دوسرے کے مطالبات اور شرائط کا بغور جائزہ لیا۔ پیپلز پارٹی کا سب سے پہلا مطالبہ تو یہ تھا کہ تیسری مرتبہ وزیراعظم بننے پر عائد پابندی ختم کی جائے، الیکشن میں برابری دی جائے اور جنرل مشرف وردی اتار دیں۔ پیپلز پارٹی کے مذاکرات کاروں نے اس وقت بھی اسٹیبلشمنٹ کی ٹیم کو یقین دہانی کرائی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھی کہ اگر ان کے مذکورہ مطالبات تسلیم کر لئے جائیں تو وہ موجودہ اسمبلیوں سے صدر مشرف کے دوبارہ انتخابات کے روز اجلاس کا بائیکاٹ کر کے صدر مشرف کو بلواسطہ طور پر مدد فراہم کریں گے اور قومی سلامتی کونسل کی صدارت بھی جنرل مشرف کے پاس ہی رہے گی۔ جنرل مشرف اس بات سے اتفاق نہیں کر رہے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ پیپلز پارٹی کھلم کھلا انہیں ووٹ دے۔ بعد ازاں کچھ اور معاملات پر بھی اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں طرف سے نئے مطالبات سامنے آ گئے۔

ان نئے اور پرانے مطالبات کے بارے میں بات چیت کو فائنل شکل دینے کے لئے ایک ایسا وقت آ گیا کہ جنرل مشرف کو خود بے نظیر بھٹو سے ملاقات کے لئے ابوظہبی جانا پڑا۔ اس طرح جنرل مشرف جو اس سے قبل سیاسی جلسوں میں یہ اعلان کر چکے تھے کہ ملک میں بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کے لئے کوئی جگہ نہیں اور انہیں الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اس حد تک مجبور ہو گئے کہ انہیں ملاقات کے لئے بھی خود ابوظہبی جانا پڑا۔

مشرف اور بے نظیر بھٹو کی یہ ملاقات ابوظہبی میں ہوئی لیکن ایوان صدر نے اس کی تردید کی۔ مسلم لیگ (ق) اس ملاقات سے بے خبر نہیں تھے۔ چوہدری برادران بھلا یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ چنانچہ پرویز مشرف اور بے نظیر بھٹو کی ملاقات اور ڈیل کے فائنل ہونے کی اطلاعات کے بعد حکمران جماعت مسلم لیگ (ق) اور پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور راہنماؤں میں جو بے چینی پھیلی ہوئی تھی اسے دیکھتے ہوئے بہت سے تجزیہ کاروں نے اس بات کا اظہار کیا کہ مستقبل قریب میں دونوں جماعتوں کے بہت سے مخلص کارکن اور راہنماء شائد پارٹی چھوڑ جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو دونوں جماعتوں کو جماعت کے اندر ہی ایک نئے بحران کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس سے دونوں جماعتوں کی مقبولیت متاثر ہو گی اور عام انتخابات میں مذکورہ جماعتوں کے ووٹ بنک پر بھی اثر پڑے گا۔ تاہم ایسا کچھ نہ ہوا۔

جنرل مشرف کے وہ اتحادی پچھلے آٹھ برسوں سے ان کی مکمل سیاسی حمایت کرتے چلے آ رہے تھے وہ ان کی اس حیرت انگیز پیشرفت پر سخت متفکر اور پریشان تھے کیونکہ انہیں اب اپنا مستقبل مکمل طور پر تاریک اور غیر یقینی نظر آ رہا تھا۔ خاص طور پر مشرف بے نظیر میٹنگ گجرات کے

چودھریوں کیلئے تو سخت تشویش کا باعث بنی تھی۔

بے نظیر بھٹو سے ملاقات کر کے جنرل مشرف نے ایک سیاسی سہارہ تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس ڈیل سے انہوں نے مسلم لیگ (ق) کو اپنے سے بہت دور کر لیا تھا۔

جنرل مشرف کی آخر کون سی مجبوری تھی کہ انہیں اس حد تک لچک کا مظاہرہ کرنا پڑا؟ یہ بات قابل غور رہے کہ نو مارچ کو چیف جسٹس کے خلاف ریفرنس دائر کرنے سے پہلے تک جنرل مشرف ملک میں سیاسی لحاظ سے نہایت مضبوط دکھائی دیتے تھے اور موجودہ اسمبلیوں سے ان کے انتخاب کی راہ میں بظاہر کوئی چیز حائل نہیں تھی۔ مجلس عمل اور پیپلز پارٹی سمیت تمام سیاسی جماعتیں اور اتحاد عوام کی تمام تر کوششوں کے باوجود انہیں سڑکوں پر لانے سے قاصر تھیں اور اقتدار کے مزے لوٹتی قائداعظم مسلم لیگ بھی اسکینڈلز اور لوٹ مار کی افواہوں کے باوجود جنرل مشرف کی سرپرستی میں اگلے انتخابات میں بھی ''کرشماتی'' فتح کے لیے نہ صرف پر یقین تھی بلکہ عام انتخابات سے پہلے جنرل مشرف کو وردی سمیت موجودہ اسمبلیوں سے ہی ایک اور مدت کے لیے صدر بنانے پر بھی تیار تھی، لیکن پھر جنرل مشرف نے چیف جسٹس کے خلاف ریفرنس دائر کیا اور اس کے نتیجے میں چیف جسٹس بحال ہو گئے۔ یہ جنرل مشرف کے لئے بہت بڑا صدمہ تھا۔ نو مارچ تک سمجھوتہ جنرل مشرف سے زیادہ بینظیر بھٹو کی ضرورت تھا اور اسی لیے جنرل مشرف کی جانب سے کسی لچک کا مظاہرہ بھی نہیں ہوا تھا لیکن نو مارچ کے بعد یہ سمجھوتہ جنرل مشرف کی بھی ایک بڑی ضرورت بن گیا۔

ابوظہبی ملاقات بھی جنرل مشرف کی اسی ضرورت کا نتیجہ تھی۔ صورتحال بدلتے ہی بے نظیر بھٹو کے مطالبات بھی بڑھ گئے کیونکہ بے نظیر بھٹو یہ بات جانتی تھیں کہ اب سمجھوتہ جنرل مشرف کی مجبوری ہے۔ اس مجبوری کے سہارے بے نظیر بھٹو نے اپنے بہت سے مطالبات منوا لئے، اور ڈیل کو آخری شکل دے دی۔ اس ملاقات کے نتیجے میں دونوں رہنما اقتدار میں شراکت کے سمجھوتے پر متفق ہو گئے لیکن دونوں گارنٹی چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ مشرف یہ بھی چاہتے تھے کہ بے نظیر بھٹو انتخابات کے بعد پاکستان آئیں۔ یہ شرط بھی بینظیر بھٹو کو منظور نہیں تھی۔

بے نظیر بھٹو نے اس ایشو پر مشرف کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے پاکستان واپسی کے فیصلے کا اعلان کر کے مشرف کو مشکل میں ڈال دیا۔ پرویز مشرف نے انہیں ہر ممکن طور پر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

روکنے کی کوشش کی اور یہاں تک ڈرایا کہ پاکستان واپسی کی صورت مین انتہا پسند ان کی جان لے لیں گے۔لیکن بے نظیر بھٹو اب مشرف پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں تھیں۔18 اکتوبر 2007 کو وہ کراچی پہنچیں جہاں عوام کے جم غفیر نے ان کا استقبال کیا۔اس استقبالیہ جلوس میں دو خوفناک بم دھماکوں کے ذریعے انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی لیکن قدرت نے انہیں بچالیا۔تاہم قدرت انہیں 27 دسمبر 2007ء کو نہ بچا سکی۔

بے نظیر بھٹو نے آتے ہی زور وشور سے اپنی انتخابی مہم شروع کر دی۔یہ صورتحال پرویز مشرف کے لئے خطرناک تھی۔بے نظیر بھٹو اپنی نو سال کی جلاوطنی کو کیش کروا کر ووٹروں کے دل میں اتر رہی تھیں۔یہ صورتحال پرویز مشرف اوران کے حامیوں کے لئے خطرناک تھی۔اس کا حل حکومتی مشیروں نے یہ نکالا کہ صدر پرویز مشرف نے 3 نومبر 2008ء کو ملک بھر میں ایمرجنسی لگا دی۔یہی وہ موقع تھا جب صدر پرویز مشرف اور بے نظیر بھٹو میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے اور بے نظیر بھٹو نے مشرف پر وعدہ خلافی اور ڈیل توڑنے کا الزام لگا دیا۔بے نظیر بھٹو اس بارے میں اپنی کتاب ”ریکنسلی ایشن،اسلام،ڈیموکریسی اینڈ دی ویسٹ“(مفاہمت:اسلام،جمہوریت اور مغرب)میں لکھتی ہیں:

”تین نومبر کی ایمرجنسی کے بعد مشرف پاکستانی عوام اور پیپلز پارٹی کے ساتھ تصادم کی راہ پر چل نکلے۔16 نومبر 2008ء کو امریکی نائب وزیر خارجہ جان نیگرو پونٹے پاکستان کے دورے پر آئے تو میں نے انہیں کہا کہ پرویز مشرف ڈائیلاگ کے ذریعہ اپوزیشن کو کوئی سہولت دینے کی بجائے اپوزیشن کو بدنام کررہے ہیں۔“

محترمہ بے نظیر بھٹو کی یہ بات سو فیصد درست تھی لیکن کتنی دلچسپ بات ہے کہ بے نظیر بھٹو کو جب موت کے گھاٹ اتار گیا اوران کے قتل کا الزام صدر مشرف اوران کے ساتھیوں پر لگا تو اصولی طور پر پرویز مشرف اور پیپلز پارٹی کا ڈائیلاگ ختم ہو جانا چاہئے تھا لیکن ڈائیلاگ جاری رہا۔پیپلز پارٹی چند ہی دنوں میں اپنی قائد کی موت بھول گئی۔اس ڈائیلاگ سے مشرف کو فائدہ اور پیپلز پارٹی کو نقصان ہوا۔

پیپلز پارٹی نے 18 فروری 2008ء کے انتخابات کے بعد مخلوط حکومت تو بنالی لیکن اس

حکومت کی مقبولیت اور اکثریت 26 جون 2008ء کو ہونے والے ضمنی انتخابات کے نتائج سے سامنے آئی اور اس سے پارٹی لیڈر شپ کو اندازہ ہوا کہ پیپلز پارٹی کو صرف تین ماہ میں کتنا نقصان ہوا ہے؟ پیپلز پارٹی پنجاب میں کچھ ایسی نشستیں بھی ہار گئی جو 18 فروری 2008ء کو پیپلز پارٹی نے جیت لی تھیں۔آہستہ آہستہ پیپلز پارٹی کی قیادت کو سمجھ آگئی کہ قومی مفاہمت کے نام پر اس کے ساتھ جو ڈائیلاگ کیا گیا اس کا اصل مقصد پارٹی کے سیاسی وجود کو کمزور کرنا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مشرف دوبارہ صدر کیسے بنے؟

پرویز مشرف کا وردی میں انتخاب ایک متنازعہ معاملہ ہے جسے سوائے مسلم لیگ (ق) کی حکومت کے کسی نے بھی تسلیم نہیں کیا لیکن چونکہ اس وقت پرویز مشرف کے سینے پر فوجی وردی تھی اس لئے اپوزیشن جماعتیں شور مچاتی رہ گئیں۔ اپوزیشن کی بات سپریم کورٹ نے بھی نہیں سنی۔

اصولی طور پر پرویز مشرف پاکستان کے دستور کے تحت فوجی وردی اتارنے کے بعد دوسرے سرکاری ملازم کی طرح دو سال تک کسی آئینی عہدے کے حقدار نہیں تھے لیکن جنرل پرویز مشرف کے جاری کردہ پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والی سپریم کورٹ صدر کے عہدے کے لیے پرویز مشرف کے دوبارہ انتخاب کو جائز قرار دے چکی تھی۔ مسلم لیگ (ق) کی حکومت نے بھی اپنی جماعت میں ہی اختلافات کے باوجود انہیں باوردی صدر بنوانے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ مسلم لیگ (ق) سے تعلق رکھنے والے وفاقی وزیر اسحاق خاکوانی جنرل مشرف کے وردی میں صدارتی انتخاب لڑنے کے خلاف اپنے عہدے سے مستعفی ہو چکے تھے جبکہ مسلم لیگ (ق) کے ہی ایک اور رکن قومی اسمبلی اور سائنس و ٹیکنالوجی ریسرچ کے پارلیمانی سیکرٹری علی حسن گیلانی نے بھی جنرل مشرف کے فوجی وردی میں صدارتی انتخاب میں حصہ لینے کے خلاف احتجاجاً مسلم لیگ (ن) میں شمولیت کا اعلان کر دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر جنرل مشرف نے وردی میں صدارتی انتخاب لڑا تو وہ ان کے خلاف ووٹ دیں گے۔ تاہم یہ چند ووٹ جنرل مشرف کے وردی میں صدر کے طور پر انتخاب میں کوئی رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

صدارتی انتخاب سے قبل جنرل مشرف کا وردی میں انتخاب جہاں ایک اہم معاملہ تھا وہاں سیاسی جماعتیں یہ مطالبہ بھی کر رہی تھیں کہ مشرف مسلم لیگ (ق) کی اکثریتی اسمبلیوں سے صدر منتخب نہیں ہو سکتے اور آنے والی اسمبلیاں ہی نیا صدر منتخب کریں گی۔ پرویز مشرف یہ جانتے تھے کہ نئی اسمبلیوں سے ان کا بطور صدر انتخاب مشکل یا دوسرے لفظوں میں ناممکن ہوگا۔ اس لئے انہوں نے اس امر کو یقینی بنایا کہ یہی اسمبلیاں ہی انہیں صدر منتخب کروائیں کیونکہ ابھی ان کی اکثریت ہے اور وہ آسانی سے صدر منتخب ہو جائیں گے۔ اپوزیشن جماعتیں اس کے خلاف تھیں۔

6 اگست 2007ء کو کراچی میں حکمران مسلم لیگ (ق) کے صوبائی رہنماؤں، قومی و صوبائی اسمبلیوں کے ارکان اور پارٹی کے حمایت یافتہ ضلع ناظمین کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے جنرل پرویز مشرف نے کہا کہ موجودہ اسمبلیاں ہی آئندہ مدت کے لیے انہیں صدر منتخب کریں گی اور وردی کے معاملے پر بات انتخابات کے بعد طے ہوگی۔ مشرف نے اس فیصلے کے بارے میں دلیل یہ دی کہ آئین میں لکھا ہے اسمبلیوں کی مدت پوری ہونے سے ایک ماہ پہلے صدر کا انتخاب ہونا ضروری ہے اور ہم آئین پر ہی عمل کر رہے ہیں۔

فوجی صدر پرویز مشرف کے یہ عزائم کسی سے ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ ان کے انہی عزائم کو دیکھتے ہوئے جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد، تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان، کمیونسٹ پارٹی کے انجینئر جمیل ملک، پمز ہسپتال کے ایک سابق ڈاکٹر انوار الحق اور پاکستان لائرز فورم کے وکیل اے کے ڈوگر نے سپریم کورٹ میں صدر پرویز مشرف کے دو عہدے رکھنے، سترہویں آئینی ترمیم اور صدر کے وردی میں رہتے ہوئے آئندہ انتخاب کے خلاف درخواست دائر کر دی جس میں انہوں نے استدعا کی کہ انہیں ایسا کرنے سے روکا جائے۔ اے کے ڈوگر نے عدالت عالیہ میں دلائل دیتے ہوئے کہا کہ موجودہ اسمبلی ربڑ سٹیمپ ہے اور اگر پارلیمنٹ قانون سازی کرتی ہے تو آئین کے محافظ جج ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا قانون بنایا جائے جو آئین کے متصادم ہو تو سپریم کورٹ اس کو رد کر سکتی ہے۔ اے کے ڈوگر کا کہنا تھا کہ جنرل پرویز مشرف نہ صرف متحدہ مجلس عمل کے ساتھ ہونے والے معاہدے سے منحرف ہوئے بلکہ انہوں نے اپنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حلف کی بھی خلاف ورزی کی جو انہوں نے فوج میں کمیشن لینے کے بعد اٹھایا تھا۔ آئین کی دفعہ 242 کے تحت کوئی بھی فوج کا اہلکار سیاست میں حصہ نہیں لے سکتا۔ صدر یکجہتی کی ایک علامت ہوتا ہے لیکن جنرل پرویز مشرف غیر جانبدار صدر نہیں ہیں۔ جنرل پرویز مشرف نہ صرف ایک متحرک سیاسی کارکن ہیں بلکہ ایک سیاسی پارٹی کو احسن طریقے سے چلا بھی رہے ہیں۔ وہ جس سیاسی جماعت کے صدر ہیں وہ پاکستان مسلم لیگ نہیں بلکہ پرویز مشرف لیگ ہے۔ اے کے ڈوگر نے دلائل کے دوران جسٹس یعقوب کے فیصلے کا بھی حوالہ دیا جو انہوں نے 1972ء میں دیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ اگر سپریم کورٹ کے فیصلوں پر عملدر آمد نہیں ہوتا تو پھر ججوں کو گھر بیٹھ جانا چاہیے۔ اے کے ڈوگر نے کہا کہ سیاست فوج کے لیے شجر ممنوعہ ہے اور یہ ایک ایسا پھل ہے جو حضرت آدم کو جنت سے نکال دیتا ہے اور پاکستان کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے۔ فوج کو سیاست سے نکال دیں تو ملک ٹھیک طریقے سے چلنے لگے گا۔ اے کے ڈوگر نے بینچ سے استدعا کی کہ فوج کو سیاست میں نہ گھسنے دیں۔ صدر جنرل پرویز مشرف کو اقتدار کی ہوس ہے اور انہوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا اور فوج کو استعمال کیا، اس لیے وہ ایک بدعنوان شخص ہیں جو صدارت کے عہدے کے اہل نہیں ہیں۔

ان پٹیشنز کی سماعت جسٹس رانا بھگوان داس کی سربراہی میں سپریم کورٹ کا ایک نو رکنی بینچ کر رہا تھا جبکہ اس کے ارکان میں جسٹس جاوید اقبال، جسٹس عبدالحمید ڈوگر، جسٹس سردار محمد رضا خان، جسٹس فلک شیر، جسٹس محمد نواز عباسی، جسٹس فقیر محمد کھوکھر، جسٹس ایم جاوید بٹر اور جسٹس شاکر اللہ جان شامل تھے۔ درخواستوں کی سماعت کرنے والے سپریم کورٹ کے نو رکنی بینچ میں شامل جسٹس نواز عباسی نے ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ صدر کے دو عہدے رکھنے کے بارے میں ایک سیاسی معاہدہ ہوا تھا اور پارلیمنٹ نے اس کی تائید کی تھی تو سپریم کورٹ اس کا کیسے جائزہ لے سکتی ہے؟ سپریم کورٹ کے نو رکنی بینچ کے چھ ارکان نے متذکرہ درخواستوں کو ناقابل سماعت قرار دے کر فنی بنیادوں پر مسترد کر دیا جبکہ اسی بنچ کے تین ارکان نے اکثریتی رائے سے اختلاف کیا۔

اپوزیشن نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ 2007ء میں اے کے ڈوگر

کی طرف سے پھر درخواست دائر کی گئی جس میں اس فیصلے پر نظر ثانی کی گزارش کی گئی۔

28 اگست 2007ء کو سپریم کورٹ کے چار رکنی بنچ نے صدر جنرل پرویز مشرف کے بیک وقت دو عہدوں پر فائز رہنے اور آئین میں سترہویں ترمیم اور باوردی صدر کے قانون کیخلاف دائر کی گئی نظر ثانی کی اپیل کو سماعت کے لئے سات رکنی لارجر بنچ کے سپرد کرنے کا حکم صادر کیا۔ نئی پٹیشن میں آئین میں سترہویں ترمیم کو بھی چیلنج کیا گیا جس پر جسٹس ناظم حسین صدیقی کی سربراہی میں پانچ رکنی بنچ نے اپنے 24 جون 2005 کے فیصلے میں قرار دیا تھا کہ آئین میں ترمیم پارلیمنٹ کا حق ہے۔ اس بنچ کے دیگر ارکان میں جسٹس افتخار محمد چوہدری، جسٹس جاوید اقبال، جسٹس عبدالحمید ڈوگر اور جسٹس فقیر محمد کھوکھر شامل تھے۔ پٹیشن میں چند نئے نکات بھی شامل کیے گئے جن میں صدر مشرف کو موجودہ اسمبلیوں سے ہی دوبارہ منتخب ہونے کی کوشش سے باز رکھنے کی استدعا کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ درخواست بھی کی گئی کہ صدر مشرف کو انتخابات سے پہلے کسی ایک جماعت سے ''ڈیل'' کی کوششوں اور ایک دوسری سیاسی جماعت کے ''ڈیفیکٹو'' سربراہ کے طور پر کام کرنے سے بھی روکا جائے۔

سیاسی جماعتیں باتیں تو بہت کر رہی تھیں لیکن ان کی واحد امید سپریم کورٹ کا فیصلہ تھا۔ یہی وہ واحد حربہ تھا جو باوردی صدر کا انتخاب رکوا سکتا تھا۔ تاہم حکومت تو عدلیہ کے خلاف بھی کارروائی کا منصوبہ بنا کر بیٹھی تھی۔

دلچسپ بات یہ ہوئی کہ جس وقت یہ معاملہ عدالت میں زیر سماعت تھا، اسی وقت الیکشن کمیشن نے صدارتی انتخاب کا شیڈول جاری کر دیا۔ حزب اختلاف کی جماعتوں نے صدارتی الیکشن شیڈول کے اجراء کو ایک غیر قانونی اقدام قرار دیا جبکہ پرویز مشرف کی حمایت یافتہ حکومت کا موقف تھا کہ الیکشن کمیشن اپنے قواعد وضوابط کے مطابق کام کر رہا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے صدارتی انتخاب کے شیڈول کے اعلان کو جلد بازی قرار دیا اور کہا کہ وہ جنرل پرویز مشرف کو کسی صورت میں باوردی صدر قبول نہیں کریں گے لیکن انتخابات ہونے کے بعد اس بات کو کس نے اہمیت دینا تھی کہ کوئی پرویز مشرف کو قبول کرتا ہے یا نہیں.........؟ اور ایسا ہی ہوا۔

29 ستمبر 2007ء کو صدر مشرف کے وردی میں صدارتی انتخابات میں حصہ لینے کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خلاف دائر کردہ اپیلوں کو خارج کر دیا گیا اور اس عدالتی فیصلے نے وقت کا دھارا موڑ دیا۔ یہ فیصلہ جمہوری روایتوں کے کے استحکام کی بجائے غیر جمہوری قوتوں کو اپنے قدم جمانے کا باعث بن گیا جس پر ایک ملکی انگریزی اخبار نے ''The Day of General'' کی سرخی لگائی۔ یہ وہ دن تھا جب وردی میں ملبوس فوجی جرنیل کو ملکی سیاست کا اہم ترین منصب حاصل کرنے کا موقع دیا گیا اور فوجی جرنیلوں کے اس حلف کی خلاف ورزی سامنے آگئی کہ وہ سیاست میں حصہ نہیں لیں گے۔

سپریم کورٹ کے فیصلے اور الیکشن کمیشن کے شیڈول کے بعد اپوزیشن جماعتوں نے جسٹس (ر) وجیہہ الدین کو اپنا صدارتی امیدوار نامزد کیا۔ اپوزیشن جماعتوں کا خیال تھا کہ چونکہ اس وقت وکلاء کی تحریک عروج پر ہے اور جسٹس (ر) وجیہہ الدین اس کے سرخیل ہیں، اس لئے ہو سکتا کہ اراکین اسمبلی اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے انہیں ووٹ دیدیں لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی۔

6 اکتوبر 2007ء کو صدارتی انتخاب ہوئے۔ صدارتی انتخابات میں غیر سرکاری طور پر اعلان کردہ نتائج کے مطابق جنرل پرویز مشرف 386 ووٹوں سے کامیابی حاصل کر کے اگلے پانچ سالوں کے لئے صدر منتخب ہو گئے۔ جنرل مشرف کو صدارتی انتخاب میں قومی اسمبلی اور سینیٹ سے 252، پنجاب سے 44، سندھ سے 39، بلوچستان سے 33 اور سرحد سے 18 ووٹ ملے۔ چیف الیکشن کمشنر جسٹس (ر) قاضی محمد فاروق کے مطابق صدارتی انتخاب میں قومی اسمبلی کے کل 342 میں سے 199 اراکین نے ووٹ ڈالے جبکہ سینٹ کے ایک سو اراکین میں سے 58 اراکین نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا۔ سینیٹ اور قومی اسمبلی میں کل ملا کر 257 ووٹ پڑے جن میں سے جنرل پرویز مشرف کو 252 ووٹ ملے۔ دو ووٹ جسٹس (ر) وجیہہ الدین کو ملے جبکہ تین ووٹ مسترد کر دیے گئے۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور پنجاب اسمبلی میں پریزائڈنگ افسر کے مطابق 371 کے ایوان میں کل 257 ووٹ کاسٹ کیے گئے جس میں سے ایک ووٹ مسترد کر دیا گیا، تین ووٹ جسٹس (ر) وجیہہ الدین اور 253 ووٹ جنرل پرویز مشرف کو ملے۔ صدارتی انتخاب میں آئینی فارمولے کے مطابق پنجاب میں جنرل پرویز مشرف کے ووٹ اصل میں 44 ووٹ گنے گئے۔

صوبہ سرحد کے پریزائیڈنگ افسر اور پشاور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے اعلان کے مطابق 124 اراکین پر مشتمل ایوان میں کل 34 ووٹ ڈالے گئے جن میں سے جنرل مشرف کو 31 اور ایک ووٹ جسٹس (ر) وجیہہ الدین کو ملا جبکہ دو ووٹ مسترد ہو گئے۔ جنرل پرویز مشرف کو ملنے والے 31 ووٹ صدارتی آئینی فارمولے کے مطابق 18 ووٹ گنے گئے۔ صوبہ سندھ میں 168 اراکین کے ایوان میں 104 اراکین نے ووٹ کاسٹ کیے ہیں جن میں سے جنرل مشرف کو 102 ووٹ ملے ہیں اور آئینی فارمولے کے مطابق انہیں ڈالے جانے والے ووٹوں کی تعداد 39 تھی۔

29 نومبر 2007ء کو جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف نے آئندہ پانچ سال کے لیے پاکستان کے صدر کے عہدے کا حلف اٹھا لیا۔ پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس عبدالحمید ڈوگر نے ریٹائرڈ جنرل پرویز مشرف سے ایوان صدر میں حلف لیا۔ جسٹس عبدالحمید ڈوگر سے ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد خود جنرل پرویز مشرف نے پی سی او کے تحت حلف لیا تھا۔

اگلے پانچ سالوں کے لئے صدر منتخب ہونے کے بعد پرویز مشرف نے محسوس کیا ہوگا کہ وہ اگلے پانچ سال تک کے لئے صدر منتخب ہو گئے ہیں، اس لئے وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ اقتدار کی سیج ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی۔ اس میں کانٹے بھی آ ہی جاتے ہیں۔ اس وقت انہوں نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ یہ صدارتی انتخاب ان کے لئے کتنی مشکلات پیدا کرے گا اور کتنی غلطیاں کروائے گا۔

پرویز مشرف کی دوسری مدت کے لئے صدارت کا مشکل ترین دور اس وقت شروع ہوا جب 18 فروری 2008ء کے بعد منظر تبدیل ہوا اور پھر اپنے دور کے سب سے طاقتور ترین چیف آف آرمی سٹاف، چیف ایگزیکٹو اور صدر پاکستان جنرل (ر) پرویز مشرف الیکشن انقلاب کے بعد گھر میں مقید ہو کر رہ گئے۔ مرکز اور صوبوں میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کا قیام عمل میں آیا تو جنرل مشرف کے صدارتی عہدے پر بھی تنقید کا آغاز ہو گیا۔ تین ماہ تک وہ باہر نہیں نکلے۔ اس دوران ملک بھر میں جہاں ان کے استعفیٰ کے مطالبے نے زور پکڑا، وہاں ان کے مواخذے کا مطالبہ بھی کیا جانے لگا۔ پھر منظر بدلا اور انہیں مجبور کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ استعفیٰ دے کر گھر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چلے جائیں۔ پرویز مشرف کو بتایا گیا کہ اگر پارلیمنٹ نے ان کا مواخذہ کیا تو پھر ان کے تمام ناجائز اقدامات کی تفصیل سامنے آجائے گی۔ مشرف نے مستعفی ہونے کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر اگست 2008ء میں چاروں صوبائی اسمبلیوں نے ایک قرارداد کے ذریعے ان پر زور دیا کہ وہ قومی اسمبلی اور چاروں صوبائی اسمبلیوں سے اعتماد کا ووٹ لیں تاہم پرویز مشرف نے یہ مطالبہ رد کر دیا۔ مشرف کا کہنا تھا کہ آئین میں ایسی کوئی شق نہیں جس کے تحت اب اعتماد کا ووٹ لینا ضروری ہے۔ پیپلز پارٹی اور اس کی اتحادی جماعتیں مشرف کو صدر ماننے کے لئے تیار نہیں تھیں اور اسی لئے ان کے مواخذے کی تحریک کی تیاریاں شروع کر دی گئی۔

اکتوبر 2007ء کے بعد پیش آنے والے حالات و واقعات اس بات کے گواہ ہیں کہ جنرل مشرف نے کانٹوں بھری سیج کا انتخاب کیا۔ وہ غلطیوں پر غلطیاں کرتے چلے گئے اور انہی غلطیوں نے ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

حمیدی

مشرف کو آرمی چیف کے عہدے سے مستعفی ہونے پر مجبور کیسے کیا گیا؟

28 نومبر 2007ء کو بدھ کا دن تھا۔ جنرل پرویز مشرف اس روز بہت اداس تھے۔ فوج سے ان کی 46 سالہ رفاقت اور 9 سال تک چیف آف آرمی اسٹاف رہنے کا دور ختم ہو رہا تھا۔ وہ لمحہ آن پہنچا تھا جب وردی کو اپنی کھال قرار دینے والے پرویز مشرف کو وردی اتارنی تھی۔ وہ حسب معمول تیار ہوئے۔ وردی پہنی، اردلی نے کیپ پکڑائی جو انہوں نے سر پر لی اور وہ ناشتے کی ٹیبل پر آبیٹھے۔ یہ ان کا گذشتہ آٹھ سال سے روز کا معمول تھا۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا کہ جب وہ اس شیڈول کو جاری نہ رکھ پاتے لیکن ہفتہ کے بیشتر دن ان کا یہی معمول تھا۔ یہ تیاری کرتے ہوئے وہ عجیب سے محسوسات کا شکار ہو رہے تھے۔ آج وہ سب کچھ آخری بار جو کر رہے تھے۔

راولپنڈی کینٹ میں بری فوج کے ہیڈ کوارٹر جی ایچ کیو سے ملحقہ آرمی سٹیڈیم میں ہونے والی تقریب کا وقت جوں جوں قریب آ رہا تھا، ویسے ویسے جنرل پرویز مشرف کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ نو سال تک فوج کے سربراہ اور اس دوران آٹھ سال تک ملک کے اقتدار کے واحد مالک بنے رہنے کے بعد وہ لمحات آن پہنچے تھے جب ان کا اقتدار کمزور ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ خود بھی یہ بات سمجھتے تھے کہ ان کی اصل طاقت اور قوت ان کی وردی میں تھی۔ اسلامی دنیا کی طاقتور فوج کی سربراہی ایک ایسا منصب تھا جسے پاکستان میں طاقتور ترین سمجھا جاتا ہے۔

جنرل پرویز مشرف آرمی سٹیڈیم پہنچے تو تقریب کا وقت ہو چکا تھا۔ تاہم تقریب کے شرکاء کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نظریں مشرف سے زیادی جنرل کیانی پر مرکوز تھیں ۔جنرل کیانی کے چہرے پر مسکراہٹ جبکہ جنرل پرویز مشرف بجھے بجھے سے نظر آرہے تھے۔

جب آرمی چیف کے کمان کی علامت، تقریباً ڈھائی فٹ لمبی بانس کی چھڑی میز پر رکھی گئی تو جنرل مشرف دوسری طرف دیکھ رہے تھے اور جنرل کیانی نے انہیں اشارہ کرتے ہوئے میز کی طرف چلنے کی درخواست کی۔میز پر موجود ایک سٹینڈ پر رکھی اس چھڑی کو ایک سرے سے جنرل پرویز مشرف اور دوسری طرف سے جنرل کیانی نے اٹھایا۔ جنرل کیانی والے سرے سے تو وہ چھڑی نکل آئی لیکن جنرل پرویز مشرف کی جانب سے پھنسی رہ گئی اور جنرل کیانی نے چھڑی نکالنے میں ان کی مدد کی۔

جنرل پرویز مشرف نے جیسے ہی جوہری طاقت سے لیس پاکستانی فوج کی کمان کی علامتی چھڑی پچپن سالہ جنرل کیانی کے ہاتھ میں تھمائی تو اس کے ساتھ ہی ایک جرنیل کی 46 سالہ عسکری زندگی کا اختتام ہو گیا اور ایک صوبیدار کے آرمی چیف بیٹے کے طاقت کے محور بننے کا آغاز ہو گیا۔جنرل مشرف ریٹائرڈ ہو چکے تھے اور اب فوج کے سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی تھے۔

اس موقع پر جنرل کیانی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے پرویز مشرف نے کہا:

’’میں ان کی پیشہ ورانہ مہارت سے واقف ہوں، یہ ایک بہترین سپاہی ہیں۔‘‘

پرویز مشرف یہ کہتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے ۔ان کے آبدیدہ ہونے کی وجہ فوج کی وہ غیر متزلزل حمایت تھی جو پرویز مشرف کو طویل عرصے کے دوران حاصل رہی۔اس موقع پر انہوں نے حاضرین سے یہ بھی کہا کہ انہیں یقین ہے کہ فوج جنرل کیانی کی بھی اسی طرح وفادار رہے گی جیسی کہ وہ خود ان کی تھی۔‘‘

پرویز مشرف جس وقت کہہ رہے تھے تو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ جنرل کیانی کا اعتماد جیتنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ایسا شائد اس لئے بھی تھا کہ ایمرجنسی کے پہلے دن جب وہ عام لوگوں کو دکھائی نہیں دیے اور افواہ پھیلی کہ شاید ان کے نائب نے انہیں نظر بند کر دیا ہے تو کہتے ہیں کہ جنرل پرویز مشرف نے اس کا جواب قہقہے کی شکل میں دیا تھا۔

فوجی کمان کی تبدیلی کی اس تقریب سے جب جنرل پرویز مشرف نے خطاب کیا تو باقی

باتوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے فوج سے کہا کہ ’’جب بھی ملکی ترقی میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو فوج کو اُسے ٹھوکر مارتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیے۔‘‘

جنرل پرویز مشرف نے کہا:

’’مجھے وردی میں نہ رہنے کا افسوس رہے گا، میں نے فوج کی کمان ایک ایسے شخص کو دی ہے جو بہترین سپاہی ہے۔ میں ایسی آرمی چھوڑ کر جا رہا ہوں جو داخلی و خارجی چیلنجز کا مقابلہ کرنے کیلئے پوری طرح لیس ہے۔ میں 46 سال تک وردی میں رہ کر فوج کی خدمت کرتا رہا اور میں نے جو کچھ سیکھا وہ فوج کی ملازمت میں سیکھا۔ فوج میں شامل ہونے پر میں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اس کیلئے جان بھی دینگے۔جنرل پرویز نے کہا، ہم نے اس قوم کو ملک کو آگے لے جانا ہے جو رکاوٹ بنے گا اسے ٹھوکر مار کر ہٹا دیں گے، میں نے بڑی بڑی جگہوں پر اس فوج کے ساتھ تکالیف اٹھائی ہیں، میں نے آج فوج کی وردی اتار دی ہے لیکن میرا دل و دماغ ہمیشہ فوج کے ساتھ رہے گا۔ مجھے پاک فوج پر فخر اور ناز ہے جو ملک کو درپیش ہر بیرونی اور اندرونی خطرے سے نمٹنے کیلئے ہمیشہ آگے آئی ہے، پاکستان کی سالمیت اور ترقی میں فوج کا اہم کردار ہے، 46 برس تک میری پاک فوج کے ساتھ گہری وابستگی رہی، ہر شخص نے ایک دن جانا ہوتا ہے، یہ نظام زندگی کا حصہ ہے، یہ ادارہ میری زندگی ہے مجھے خوشی ہے کہ میں نے اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کئے۔ جنرل پرویز نے کہا کہ میں 46 سال اس وردی میں رہنے کے بعد آج اس فوج کو الوداع کہہ رہا ہوں، یہ فوج میری زندگی ہے، اس فوج سے میں نے محبت کی ہے۔ مشرف نے کہا کہ افواج پاکستان ایک یکجہتی پیدا کرنے والی قوت ہے، ملک کو یکجا کرنے والی فورس ہے، ملک کی عزّت و بقاء کو برقرار رکھنے والی محافظ فورس ہے، جب بھی کوئی بیرونی خطرہ ہوتا ہے، فوج آگے آتی ہے اور اس سے بڑی کیا قربانی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی جان کی قربانی دینے کیلئے تیار ہوتی ہے، جب بھی کوئی اندرونی خطرہ ہوتا ہے، فوج آگے آتی ہے چاہے سیلاب ہو، زلزلہ ہو فوج آگے آتی ہے، فوج نے تعمیراتی اور ترقیاتی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، انہوں نے سکھر بیراج کی مرمت، قراقرم ہائی وے، کوسٹل ہائی وے، گوادر سے رتوڈیرو 950 کلومیٹر سڑک کی تعمیر کا خاص طور پر ذکر کیا اور اس ضمن میں فوج کے کردار کو سراہا۔ انہوں نے کہا کہ وہ ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں فوج کی کمانڈ دے رہے ہیں، جنہیں وہ 20 سال سے جانتے ہیں، اور وہ امید کرتے ہیں کہ فوج ان کی کمانڈ میں نئی بلندیوں کی طرف جائے گی اور جو وفاداری اور حب الوطنی مجھے دی وہ جنرل کیانی کو بھی حاصل ہوگی اور وہ بہترین فوج کی کمانڈ خوش اسلوبی اور اعتماد کے ساتھ کرینگے۔"

چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے اس موقع پر صدر مملکت کی بطور آرمی چیف خدمات کو خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ انہوں نے پاک فوج کیلئے جو کارنامے اور خدمات سرانجام دیئے ہیں ان پر فوج کو فخر ہے۔ ان کے دور میں فوج نے تمام شعبوں میں مہارت اور ترقی کی منازل کو طے کیا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ وہ بطور آرمی چیف پاک فوج کو متحد رکھیں گے اور اپنی بہترین صلاحیتیں بروئے کار لا کر پاک فوج کو نئی بلندیوں تک لے کر جائیں گے۔ پاکستان کی سالمیت اور وطن کے دفاع کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جائیگا۔ اس موقع پر کمانڈرز نے بھی فرداً فرداً جنرل پرویز مشرف کی خدمات کو سراہا اور ان کے ساتھ کام کرنے کو اپنے لئے ایک خوشگوار تجربہ قرار دیا۔

تقریب سے خطاب کرتے ہوئے جہاں جنرل پرویز مشرف کے لہجے میں بھاری پن تھا وہیں دوران تقریر وہ کئی بار الفاظ کی ادائیگی میں اٹکتے رہے جبکہ ان کی نسبت جنرل کیانی کافی پراعتماد نظر آئے۔

جنرل کیانی کے بارے میں چند ماہ قبل تک کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ پرویز مشرف انہیں آرمی چیف نامزد کردیں گے اور ایک صوبیدار کا بیٹا فوج کا سربراہ بن جائے گا۔

آرمی سٹیڈیم راولپنڈی میں اس وقت سماں یہ تھا کہ بینڈ باجے بج رہے تھے لیکن ان کی دھن جنرل کیانی کو "ویلکم" کہہ رہی تھی۔ جنرل پرویز مشرف کی واپسی کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ مشرف کھلی فوجی جیپ میں سوار ہوئے اور جیپ نے گراؤنڈ کا چکر لگانا شروع کیا۔ تقریب کے شرکاء انہیں

دیکھ کر ہاتھ ہلا رہے تھے جبکہ صدر مشرف بھی ہاتھ ہلا کر جواب دے رہے تھے۔ انہوں نے وہاں موجود فوجیوں اور خواتین سمیت کئی سویلین شخصیات کو بھی سلیوٹ کیا۔

جنرل کیانی کے فوجی سربراہ کا منصب سنبھالنے کے بعد مقتدر حلقوں میں اس رائے کا اظہار کیا گیا کہ پرویز مشرف کے وردی اتارنے اور جنرل کیانی کے آرمی چیف کا منصب سنبھالنے کا فائدہ دونوں بڑوں کو ہوگا یعنی جنرل کیانی اور صدر پرویز مشرف۔ جنرل کیانی اس حوالے سے فائدے میں رہیں گے کہ انہیں ملک کے موجودہ سیاسی تناؤ کے دو بڑے کرداروں کا ذاتی اعتماد بہرحال حاصل رہے گا۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ وزارت عظمیٰ کے دنوں میں بینظیر بھٹو کے مشیروں میں شامل رہنے والے جنرل کیانی بینظیر بھٹو اور جنرل مشرف کے درمیان شراکت اقتدار کے لیے ہونے والے مذاکرات کے مرکزی کردار رہے ہیں۔ جنرل پرویز مشرف نے جس وقت آرمی چیف کا عہدہ چھوڑا، اس وقت ملک کی گھمبیر صورتحال کے تناظر میں جنرل کیانی کا کردار اپنے اندر بہت سے معنی لئے ہوئے تھا۔ انہیں بہت سے چیلنج درپیش تھے۔ سیاستدان کرسی اقتدار کے لئے لڑ رہے تھے اور عدلیہ کو بے توقیر کردیا گیا تھا۔ ملک بھر میں جنگل کا قانون نافذ ہو چکا تھا اور پریس کے ہاتھ باندھ کر اس کے ہونٹ بھی سی دیئے گئے تھے تاکہ میڈیا کو سب اچھا ہے کا راگ الاپنے پر مجبور کیا جا سکے۔ ان سب باتوں کے علاوہ انہیں ایک ایسی فوج کا امیج بہتر بنانا تھا جس پر دن بدن تنقید بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ ایسے چیلنج ہیں جو انہیں ابتداء میں ہی درپیش تھے۔

جنرل کیانی نے فوج کے امیج کو بہتر بنانے کے لئے کئی اقدامات کئے۔ انہوں نے سول اداروں سے فوجی افسروں کی واپسی کا حکم دیا اور فوجی افسروں کے سیاستدانوں سے رابطوں پر پابندی لگا دی۔ انہوں نے جمہوری قوتوں کو آگے آنے کا موقع دیا اور فوج کو صرف ملکی دفاع کا ضامن قرار دیا۔ ان اقدامات کے نتیجے میں فوج کا امیج قدرے بہتر ہوا اور فوج کے نئے سربراہ کا نیوٹرل کردار سامنے آیا۔

صدر مشرف نے جنرل کیانی کو فوج کا سربراہ مقرر کرنے کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ صدر مشرف کا خیال تھا کہ جنرل کیانی ان کے بااعتماد ساتھی ہیں اور چونکہ جنرل کیانی سے ان کا تعلق کئی برسوں پر محیط ہے۔ اس لئے فوج کے سربراہ کی حیثیت سے بھی وہ انہیں "دغا" نہیں دیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گے۔یہ ایک سوچ تھی جو صدر پرویز مشرف کے ذہن میں پنپ رہی تھی۔جنرل کیانی صدر مشرف کے با اعتماد ساتھی تو تھے لیکن وہ فوج کے سربراہ کی حیثیت سے ''لیس سر'' والا کردار ادا کرنا نہیں چاہتے تھے۔جنرل کیانی پیشہ ور فوجی تھے اور وہ اقتدار کے ایوانوں میں ہونے والی سازشوں اور جی ایچ کیو کی غلام گردشوں میں طے کئے جانے والے فیصلوں کے عینی شاہد بھی تھے۔

مئی 1990 میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کے دوران اشفاق پرویز کیانی وزیراعظم بےنظیر بھٹو کے ڈپٹی ملٹری سیکرٹری تھے۔وہ اس وقت لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر فائز تھے۔اس دوران بےنظیر بھٹو کی حکومت کو صدر غلام اسحاق خان نے کرپشن کے الزامات کے تحت برطرف کر کے غلام مصطفیٰ جتوئی کو نگران وزیراعظم مقرر کر دیا۔لیفٹیننٹ کرنل اشفاق پرویز کیانی نے تین ماہ نگران وزیراعظم کے ساتھ ڈپٹی ملٹری سیکرٹری کے طور پر کام کیا۔اس دوران عام انتخابات ہوئے اور میاں نواز شریف ملک کے وزیراعظم بن گئے۔ اشفاق کیانی چھ ہفتوں تک وزیراعظم نواز شریف کے بھی ڈپٹی ملٹری سیکرٹری رہے۔اس طرح چھ ماہ کے عرصے میں انہوں نے تین وزراءاعظم کے ساتھ ڈپٹی ملٹری سیکرٹری کی حیثیت سے کام کیا۔میاں نواز شریف نے بعدازاں لیفٹیننٹ کرنل جاوید حسن کو اپنا ڈپٹی ملٹری سیکرٹری بنایا اور اشفاق کیانی کو ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن گروپ جوائن کرنے کی پیش کش کی لیکن اشفاق پرویز کیانی نے اپنے یونٹ میں واپسی کو ترجیح دی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ چھاؤنی میں فوج ڈیوٹی کر کے زیادہ خوش رہیں گے۔

بھارتی پارلیمنٹ پر خودکش حملے کے بعد پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی جب انتہا کو پہنچی اس وقت اشفاق کیانی پاک فوج کے ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز تھے۔دونوں جوہری طاقت رکھنے والے ملکوں کی فوجیں کئی ماہ تک سرحدوں پر ایک دوسرے کے مدمقابل تیار کھڑی تھیں اور اگر غلطی سے ایک گولی بھی فائر ہو جاتی تو دونوں ملکوں کے درمیان تباہ کن جنگ چھڑنے کا خطرہ تھا۔اس مرحلے پر جنرل اشفاق کیانی بھارتی فوجی افسروں کے ساتھ مستقل رابطے میں رہے اور حالات کو بے قابو ہونے سے روکے رکھا۔آٹھ ماہ تک انتہائی کشیدگی کے بعد جنگ کے بادل چھٹ گئے اور دونوں ملکوں نے اپنی فوجوں کو سرحدوں سے واپس بلا لیا۔بھارت کی فوجی قیادت نے جنرل کیانی کی اس پیشہ ورانہ اور انتظامی مہارت کی تعریف کی۔

صدر جنرل پرویز مشرف پر راولپنڈی میں جب قاتلانہ حملہ ہوا اس وقت اشفاق کیانی راولپنڈی کے کور کمانڈر تھے۔اس قاتلانہ حملے کی تحقیقات جب شروع کی گئیں تو مختلف رکاوٹوں کی وجہ سے تحقیقات کا کام متاثر ہوا۔بعدازاں اس واقعے کی تحقیقات کا کام جنرل اشفاق کیانی کے سپرد کیا گیا۔کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تفتیشی عمل میں مختلف ایجنسیوں کے مابین تعاون اور ربط وضبط کے مسائل پر قابو پایا اور ایک مشن کی طرح اس کام میں لگ گئے۔چند ہی مہینوں میں جنرل کیانی نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے صدر پر قاتلانہ حملے کے ملزموں کا کھوج لگا کر انہیں بے نقاب کر دیا اور ان میں ملوث بیشتر افراد گرفتار کر لئے گئے۔بعض مبصرین کا خیال ہے کہ جنرل مشرف پر حملوں میں ملوث افراد کا سراغ لگانے کے باعث ہی انہیں انعام کے طور پر آئی ایس آئی کا سربراہ بنایا گیا۔اس قاتلانہ حملے میں ملوث گیارہ فوجی افسروں اور جوانوں کو فوجی عدالتوں سے سزائیں سنائی جا چکی ہیں اور چند ایک کو پھانسی بھی لگ چکی ہے۔

جھنڈا چیچی حملہ کیس کو حل کرنے کی وجہ سے صدر جنرل مشرف، جنرل کیانی کی قابلیت اور صلاحیتوں کے قائل ہو چکے تھے۔یہی وجہ ہے کہ جنرل پرویز مشرف کی نظر بار بار گھوم کر جنرل اشفاق کیانی پر ٹھہر گئی۔مارچ 2007 میں جنرل اشفاق کیانی کو پاک فوج کے سب سے طاقتور شعبے انٹر سروسز انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) کا سربراہ مقرر کیا گیا۔آئی ایس آئی کے سربراہ کے طور پر ان کی ایک اور بڑی کامیابی امریکہ کے سامنے اس وقت سامنے آئی جب القاعدہ کے آپریشنل کمانڈر ابو فراج کو گرفتار کیا گیا۔یہ آئی ایس آئی میں ان کی بڑی کامیابی تھی۔ابو فراج ،صدر پرویز مشرف پر قاتلانہ حملوں کا ماسٹر مائنڈ تھا۔

جنرل کیانی کے ساتھ قریبی رابطے میں رہنے والے ایک سابق امریکی انٹیلی جنس افسر کے بقول ان کی زیر قیادت آئی ایس آئی نے اپنے باس کا اعتماد حاصل کر لیا تھا اور اس اعتماد پر پورا اتر رہے تھے۔آئی ایس آئی کے سربراہ کی حیثیت سے جنرل اشفاق نے مغربی قائدین سے ملاقاتیں بھی کیں اور بش انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ مضبوط رشتے استوار کر لئے۔آئی ایس آئی کے سربراہ کے طور پر انہوں نے سیاسی طور پر بھی اپنے باس کی سیاسی مشکلات حل کرنے کی کوششیں کیں۔جنرل کیانی چونکہ بےنظیر بھٹو کے وزارت عظمیٰ کی پہلی میعاد کے دوران ان کے ڈپٹی ملٹری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سکریٹری کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے چکے تھے اس لئے جب مشرف اور بھٹو میں اقتدار کے بٹوارے پر مذاکرات پر شروع ہوئے تو جنرل اشفاق کیانی ہی وہ شخص تھے جنہوں نے دونوں کے درمیان مصالحتی خدمات انجام دیں ۔

آئی ایس آئی کا سربراہ بننے کے بعد جنرل کیانی پر عملی طور پر آرمی چیف بننے کے راستے بند ہو چکے تھے ۔کیونکہ آئی ایس آئی کا سربراہ ہمیشہ متنازعہ ہوتا ہے اور آج تک اس شعبے کی قیادت کرنے والے کسی فوج افسر کو آرمی چیف بننے کا موقع نہیں ملا۔آئی ایس آئی کا سربراہ حکومتی پالیسیوں سے اکثر نالاں رہتا ہے، اس وجہ سے اس کی حکمرانوں کے ساتھ ہمیشہ ان بن رہتی ہے ۔جنرل اشفاق کیانی وہ پہلے افسر ہیں جنہوں نے آئی ایس آئی کا سربراہ ہونے کے باوجود خود کو غیر متنازعہ رکھا اور ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں چیف آف آرمی سٹاف بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔

جنرل کیانی نے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو ایوان صدر بلانے اور انہیں عہدے سے فارغ کرنے سے ایک دن قبل ہی چیف جسٹس سے ملاقات کر کے مفاہمت کی کوشش کی تھی۔کہا جاتا ہے کہ چیف جسٹس کیس میں وہ مکمل طور پر غیر جانبدار رہے اور جب فوج کے سربراہوں کا اجلاس ہو رہا تھا تو جنرل کیانی وہ واحد افسر تھے جنہوں نے چیف جسٹس کے خلاف کوئی بیان نہیں دیا۔

جنرل کیانی کو جو لوگ قریب سے جانتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ صدر مشرف سے وہ جس انداز میں بات کرتے ہیں، دوسرے سنئیر افسروں میں سے بہت کم اس کی ہمت کر پاتے ہیں ۔مغربی فوجی افسروں کے مطابق کیانی نے آرمی چیف بننے سے قبل پرویز مشرف سے کہہ دیا تھا کہ وہ آرمی میں ٹاپ جاب کے سوا کوئی عہدہ قبول نہیں کریں گے۔

اگر چہ جنرل اشفاق کیانی کو ابتداء میں مشرف کا وفادار ہی سمجھا جاتا رہا لیکن جنرل کیانی نے اپنے اقدامات سے ثابت کیا کہ ایسا نہیں ہے اور فوج اور وہ خود مکمل طور پر غیر جانبدار ہیں۔

جنرل مشرف نے کیا غلطیاں کیں؟

جنرل (ر) پرویز مشرف نے اپنے آٹھ سالہ دور اقتدار میں بہت سی غلطیاں کیں جن کا خمیازہ قوم کو بھگتنا پڑا لیکن ان غلطیوں سے پرویز مشرف کا اقتدار مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ اپنے دور اقتدار میں مشرف نے جو کچھ کیا اگر چہ اس پر کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں لیکن یہاں ایسے واقعات کا چیدہ چیدہ ذکر کیا جا رہا ہے جو ان کے زوال کا باعث بنے۔

پرویز مشرف کے آٹھ سالہ دور اقتدار کا اگر جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے مملکت کے چیف ایگزیکٹو اور صدر کی حیثیت سے فیلڈ مارشل ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو جیسا کوئی بڑا کام کر کے نہیں دکھایا۔کوئی ڈیم تعمیر ہوا نہ غریبوں کی حالت میں کوئی تبدیلی آئی۔وہ پانچ سال تک کالا باغ ڈیم کی رٹ لگاتے لگاتے اچانک بھاشا ڈیم کے تعمیری منصوبے پر قناعت کر بیٹھے جو زلزلوں کی زد میں واقع خطے میں ہے اور اس پر لاگت بھی بہت زیادہ آئے گی ۔گوادر بندرگاہ کی تعمیر مشرف دور کی حکومت کا واقعی بہت بڑا کارنامہ ہے، مگر اس نے ان گنت سیاسی معاشرتی اور علاقائی مسائل پیدا کر دیے ہیں۔مقامی آبادی نے اس اندیشے کا اظہار کیا تھا کہ دوسرے صوبوں کے آبادکار ان کے وسائل پر قابض ہو جائیں گے اور اسے اقلیت میں تبدیل کر دیں گے اور ایسا ہی ہوا۔اس کے علاوہ خاصی بڑی تعداد میں پلاٹس فوجی افسروں کو الاٹ کر دیے گئے جس میں سپریم کورٹ کو مداخلت کرنا پڑی۔یہ مداخلت بھی چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے خلاف ریفرنس کا باعث بنی۔فوجی افسروں کو پلاٹوں کی الاٹمنٹ کا مقصد انہیں لوٹ مار کے"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کھیل'' میں شریک کرنا تھا۔ پرویز مشرف کی حکومت کا دوسرا بڑا کارنامہ روپے پیسے کی ریل پیل اور لیز پر کاریں اور گھریلو اشیائے صرف کی فراہمی تھی۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ تا کہ دنیا کو دکھایا جا سکے کہ پاکستان کی معیشت مظبوط ہے اور عوام خوشحال ہیں۔ اس عمل نے معیشت کی بنیادیں کھوکھلی کر ڈالیں۔ امپورٹڈ وزیر اعظم اپنا ایجنڈا مکمل کر کے اور پاکستانی معشیت کو دوبارہ مالیاتی اداروں اور امریکہ کا دست نگر بنا کر رخصت ہو گئے۔

عدلیہ کا بحران ایک ایسا ایشو تھا جس نے واقعی جنرل مشرف کو پریشان کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ پرویز مشرف نے بھی حکومت کی غلطیوں کا اعتراف کیا اور کہا کہ حکومت کی مس ہینڈلنگ کی وجہ سے معاملہ بگڑ گیا جس کے نتیجے میں امن وامان کے مسائل بھی پیدا ہوئے۔

جنرل پرویز مشرف نے جب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے خلاف وزیر اعظم کی طرف سے آنے والے ریفرنس کو سپریم جوڈیشل کونسل بھجوا کر انہیں غیر فعال کیا اور انہیں اپنے فرائض انجام دینے سے روک دیا، تو ان کے اس فیصلے کے خلاف ملک بھر کے قانونی حلقے اور وکلاء برادری سراپا احتجاج بن گئی۔ ملک بھر میں احتجاجی مظاہرے ہوئے، ججوں نے استعفیٰ دیئے اور عدالتوں میں کام ٹھپ ہو کر رہ گیا۔ ان مظاہروں میں وکلاء کے ساتھ ساتھ سیاسی رہنماء بھی متحرک ہو گئے کیونکہ سیاست دانوں کے پاس حکومت کے خلاف احتجاج کرنے کا اس سے بہتر موقع کوئی نہیں تھا ۔جنرل مشرف چاہتے تو اس مسئلے کو حل کر کے ملک کو بحران سے نکال سکتے تھے لیکن انہوں نے افتخار محمد چوہدری کی بحالی کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا۔

جنرل مشرف نے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے خلاف ریفرنس اور بحالی کے بعد بھی پے در پے کئی بڑی غلطیاں کیں۔

جنرل پرویز مشرف جس وقت حکومتی غلطیوں کا اعتراف کر رہے تھے، اس وقت یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ عدلیہ کے بعد ریاست کا ایک اور ستون صحافت بھی لرز رہا تھا۔ صحافت اور صحافیوں پر برا وقت اس وقت آیا جب انٹیلی جنس ایجنسیوں نے صحافیوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ انہیں مختلف گروہوں کی طرف سے دھمکیاں دی جانے لگیں اور بات نہ ماننے کی صورت میں اغواء بھی کیا جانے لگا۔ بعد ازاں پریس پر شب خون اس طرح مارا گیا کہ صحافیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا

جانے لگا اور پھر اخبارات اور ٹیلی ویژن چینلو کے دفاتر پر حملے کئے جانے لگے۔ صحافیوں کے خلاف اس کارروائی کا مقصد یہی تھا کہ پریس اور الیکٹرانک میڈیا ان ہدایت پر عمل کرے جو حکومت کی طرف سے دی جا رہی تھیں۔ اس پر عمل نہ ہوا تو صحافت اور اہل صحافت کے برے دور کا آغاز ہو گیا۔

صحافی برادری کے خلاف ہونے کے بعد جنرل مشرف ایسے راہنما بن گئے جو ملک کے تمام حلقوں خاص طور پر سیاسی، عوامی، عدالتی اور صحافتی حلقوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ تصور کئے جاتے ہیں۔ اس بات کا انہوں نے اعتراف بھی کیا کہ اس سے ان کی مقبولیت میں بھی کمی آئی ہے لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ کوئی ایسے اقدامات بھی نہیں کر سکے جو یہ ثابت کرتے کہ انہوں نے سیاسی، عدالتی، صحافتی اور عوامی حلقوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنی حمایت پر راضی کر لیا ہے۔

ان حالات میں جہاں حکومت کی ''نیک نامی'' متاثر ہوئی وہاں عدلیہ کے بحران نے اپوزیشن جماعتوں کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ حکومت کے خلاف ایک مضبوط تحریک کی بنیاد رکھ سکیں۔ چنانچہ تمام اپوزیشن جماعتیں وکلاء کے ساتھ متحد ہو گئیں اور انہوں نے ایک عدالتی معاملے کو سیاسی معاملہ بنا کر جنرل مشرف اور حکومت کے خلاف جلسے، جلوس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ احتجاج کی اس لہر نے جہاں جنرل مشرف اور ''جمہوری'' حکومت کی پریشانی میں اضافہ کیا وہاں پر تشدد بھی بن گئی۔ سیاسی جماعتوں کے کارکن اور عہدیدار کالے کوٹ اور ٹائی لگا کر وکلاء کی تحریک کا حصہ بننے کی کوشش کر رہے تھے اور حالات کو بگاڑ رہے تھے۔

جنرل پرویز مشرف اور اس وقت کے وزیر اعظم شوکت عزیز میں اس حوالے سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ پرویز مشرف کو پریشانی یہ تھی کہ غیر فعال چیف جسٹس کے معاملے میں تنقید کا نشانہ انہیں بنایا جا رہا تھا اور کہا جا رہا تھا کہ انہوں نے خود جسٹس افتخار کو غیر فعال کر کے عدلیہ پر بھی شب خون مارنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ جنرل مشرف کا اس حوالے سے موقف یہ تھا کہ حکومت نے جسٹس افتخار کے خلاف ریفرنس بھیجا اور انہوں نے اسے آگے بھجوا دیا اور یہ ان کا قانونی اور آئینی حق تھا اور اس کے ذمہ دار وزیر اعظم شوکت عزیز ہیں، تاہم ان کی یہ بات کوئی ماننے کو تیار نہیں تھا اور عوام جسٹس افتخار کی معزولی کا ذمہ دار انہیں ہی سمجھ رہے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ وہ صورتحال تھی جب روز روز کے مظاہروں، احتجاج اور امن وامان کی بگڑتی صورتحال سے نمٹنے کے لئے جنرل مشرف کو ان کے کچھ ساتھیوں نے یہ مشورے دینے شروع کر دیئے کہ صورتحال پر قابو پانے کا اب یہی طریقہ بچا ہے کہ حکومت کو معزول کر کے ملک میں ایمرجنسی لگا دی جائے اور فوری نگران حکومت بنا کر قبل از وقت ہی الیکشن کرا دیئے جائیں۔ اس اقدام کی وجہ انہوں نے یہ قرار دی کہ جسٹس افتخار کے معاملے میں حکومت سے بہت غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک موقع پر جنرل مشرف کو اس بات پر قائل کر لیا گیا تھا کہ جنرل پرویز مشرف نے امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورتحال اور سنگین ہو جانے والے ملکی بحران پر قابو پانے کے لئے ایمرجنسی لگانے پر غور شروع کر دیا اور پھر اس پر عمل بھی کر دیا۔

جنرل مشرف کی ایک اور بڑی غلطی سانحہ 12 مئی 2007ء کی تھی۔ چیف جسٹس کی کراچی آمد کے موقع پر وہاں جو کھیل کھیلا گیا اس کی وضاحتیں مشرف، حکومت اور ان کی اتحادی جماعت کو دینا پڑیں۔ اس روز آگ اور خون کا کھیل کس نے کھیلا؟ یہ بات ابھی تک سامنے نہیں آسکی لیکن اگر اس روز ہونے والی قتل وغارت کا جائزہ لیا جائے اور اس بات کا سراغ لگانے کی کوشش کی جائے کہ ایسا کیوں ہوا تو سب سے پہلے تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ یہ سب کچھ ایک باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ہوا اور اس کے پیچھے جنرل مشرف کی پسندیدہ اور حمایت یافتہ جماعت ایم کیو ایم تھی۔ اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ 11 مئی کو اگلے روز 12 مئی کو بروز ہفتہ کیلئے جاری ہونے والے سیکیورٹی پلان میں حیرت انگیز طور پر یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ حفاظتی انتظامات پر مامور پولیس اہلکاروں کو اسلحہ اور ہتھیار نہ دیئے جائیں۔ طاقت کے استعمال سے گریز کیا جائے، حساس مقامات پر ہدایت کے باوجود عمارتوں کی چھتوں پر پولیس موجود نہیں تھی۔

کراچی پولیس کے سربراہ اظہر فاروقی نے ایس ایس پی سیکورٹی امین یوسف زئی کے دستخطوں سے تمام ٹی پی اوز اور تھانیداروں کو سیکورٹی پلان جاری کیا جس میں چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی ریلی کے دوران خودکش حملوں، دھماکوں اور اہم شخصیات کو ٹارگٹ کئے جانے کا خدشہ ظاہر کیا گیا لیکن مختلف مقامات پر تعینات پولیس اہلکاروں کو صرف ڈنڈے اور آنسو گیس شیل فراہم کئے گئے جو بڑی حیران کن بات ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایئر پورٹ، ہائیکورٹ اور شاہراہ فیصل

کے اطراف کی منتخب عمارات پر مسلح اہلکار موجود نہیں تھے اور جہاں تھے وہاں انہوں نے تشدد میں مشغول مسلح افراد کیخلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ اس لئے بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے بعد کی تمام خونریزی پاکستانی عوام نے ٹی وی پر دیکھی۔ تیس لاشیں گر چکی تھیں اور ابھی لاشیں اٹھانے کا کام جاری تھا کہ اسی ٹی وی پر عوام نے دارالحکومت سے صدر مشرف کی حمایت میں نکلنے والی ریلی میں ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑے بھی دیکھے اور صدر مشرف کو اپنی حلیف جماعت کی ''کامیابی'' پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے بھی سنا۔

عام خیال یہی ہے کہ اس روز شہر کے امن وامان کو متحدہ قومی موومنٹ نے خراب کیا۔ اس صورتحال میں سوچنے کی بات یہ تھی کہ متحدہ قومی موومنٹ کی سندھ میں حکومت ہے تو وہ اپنی ہی حکومت کے ہوتے ہوئے ایسا کیوں کرے گی؟ مسلم لیگی وزیراعلیٰ اور گورنر سندھ میں اگرچہ اختلافات ڈھکے چھپے نہیں لیکن چیف جسٹس کی کراچی آمد کے موقع پر صورتحال سے نمٹنے کی پلاننگ کے دوران یہ اختلافات جس طرح سامنے آئے اور جس طرح فریقین نے ایک دوسرے کی بات ماننے سے انکار کیا، یہ اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ صوبائی حکومت اور گورنر سندھ کے درمیان ورکنگ ریلیشن شپ انتہائی نہ ہونے کے برابر تھی۔ کہا تو یہ بھی جاتا ہے کہ 12 مئی سے چار روز قبل سندھ کے وزیر اعلیٰ ہاؤس اور گورنر ہاؤس کے مابین رابطے منقطع ہو گئے تھے اور حکمران اتحاد میں شامل دونوں جماعتوں میں اختلافات شدت اختیار کر گئے تھے۔ ان اختلافات کی وجہ یہ تھی کہ وزیراعلیٰ ہاؤس ایم کیو ایم کی طرف سے ریلی نکالنے کا سخت مخالف تھا جبکہ گورنر ہاؤس ریلی کو ہر طرح کی سپورٹ دینے کا حامی تھا، چنانچہ معاملات بگڑتے گئے۔ وزیراعلیٰ سندھ نے اپنی پارٹی قیادت کو متوقع خونریزی سے ریلی سے دو روز قبل آگاہ کر دیا تھا جس پر حکمران جماعت کی قیادت نے اعلیٰ حلقوں تک یہ پیغام بھی پہنچا دیا مگر پھر بھی ایم کیو ایم کی ریلی کو ملتوی نہ کیا گیا۔ وزیر علیٰ سندھ کو بعد ازاں اسلام آباد سے آنے والی ہدایت کی روشنی میں ریلی کے حوالے سے بالکل سائیڈ لائن کر دیا گیا تھا اور کراچی کا پورا انتظام گورنر ہاؤس نے سنبھال لیا۔ وزیراعلیٰ ڈاکٹر ارباب رحیم نے اس کا شکوہ پارٹی صدر چوہدری شجاعت حسین سے کیا تھا لیکن وہ بھی کچھ نہ کر سکے۔

12 مئی کے سانحہ نے تمام جماعتوں کو متاثر کیا۔ حالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے ایم کیو ایم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے تمام تر ذمہ دری صوبائی حکومت پر ڈالنے کی کوشش کی لیکن وزیر اعلیٰ بھی اس سلسلے میں پہلے ہی متحرک تھے۔ یہ کوشش کامیاب تو نہ ہو سکی لیکن اس دوران یہ ضرور ہوا کہ دیگر سیاسی جماعتوں نے 12 مئی کے حالات و واقعات کا ذمہ دار ایم کیو ایم کو قرار دینا شروع کر دیا۔ حکمران جماعت نے بھی دبے لفظوں مین اس بات کا اظہار کیا لیکن اسی دوران صدر جنرل پرویز مشرف کی طرف سے ایم کیو ایم کو سپورٹ کرنے کی ہدایت کے بعد حکمران مسلم لیگ نے پر اسرار خاموشی اختیار کر لی۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں فوجی آپریشن پرویز مشرف کی ایک اور بڑی غلطی تھی۔ یہ بات درست ہے کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا معاملہ ایک ایسا ایشو تھا جس پر پوری دنیا کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ دنیا کے بہت سے ممالک خاص طور پر اس حوالے سے حکومت پاکستان کو تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے کہ پاکستان یوں تو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں عالمی برادری کا اتحادی ہے اور وہ خاص طور پر انتہا پسندی اور طالبانائزیشن کے خاتمے کے لئے کوششیں کر رہا ہے لیکن ملک کے دارلحکومت اسلام آباد میں مذہبی انتہا پسندی کا ایک گڑھ ایسا ہے جس کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا جا رہا اور لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے طلباء و طالبات کو کھلی چھٹی دے دی گئی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں۔ حکومت پاکستان پر اس حوالے سے بے پناہ دباؤ تھا کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف کارروائی کی جائے لیکن حکومت اس ایشو کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہی تھی۔

یہ بات کون نہیں جانتا کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ نے ایک ایسے وقت میں دنیا بھر کے میڈیا کی مکمل توجہ حاصل کی جب چیف جسٹس افتخار حسین چوہدری کی قسمت کے فیصلے اور عدلیہ کی آزادی جیسے اہم ترین قومی نوعیت کے معاملات داؤ پر لگے ہوئے تھے۔ لال مسجد کے طلباء نے اس دوران راولپنڈی اور اسلام آباد میں دن دیہاڑے عورتوں، بچوں اور پولیس والوں کو اغواء کرنا اور سی ڈی و میوزک شاپس پر دھاوے بولنا شروع کر دیے۔ حکومت پھر بھی ان کے ساتھ مذاکرات کرتی رہی۔ پرویز مشرف کی ہدایت پر وزیر مملکت برائے امور خارجہ امان اللہ جدون کو سعودی عرب روانہ کیا گیا جہاں انھوں نے سعودی حکومت سے غازی برادران پر اپنا رسوخ استعمال کرنے کی درخواست کی، یاد رہے کہ جامع حفصہ پاکستان میں وہابی مسلک کا سب سے بڑا ادارہ ہے اور اس ادارے کو سعودی عرب سے براہ راست مالی اور نظریاتی تعاون حاصل ہے۔ امان اللہ جدون

نے امام کعبہ سے ملاقات کر کے انہیں تمام صورتحال سے آگاہ کیا اور معاملہ کے پر امن حل کے لئے مدد کی درخواست کی۔ امام کعبہ نے بعد ازاں پاکستان کا دورہ بھی کیا اور اس دورے کے دوران غازی برادران کو صلح صفائی کے لئے قائل کرنے کی کوششیں کیں لیکن انہیں کامیاب نہیں ہونے دیا گیا۔ اس دوران لال مسجد کے مہتمم مولانا عبدالعزیز غازی نے اپریل 2007ء میں شریعت کورٹس قائم کرنے کا اعلان کر دیا اور پورے ملک میں خودکش حملوں کی دھمکیاں بھی دیں۔ لال مسجد نے جب نیلوفر بختیار کے خلاف فتویٰ دیا تو حکومت نے انہیں ان کی وزارت سیاحت سے ہی محروم کر دیا۔ اس کے بعد بھی کئی واقعات یکے بعد دیگرے ہوئے۔

مئی 2007ء میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے طلباء نے چار پولیس والوں کو اغواء کر لیا تھا اور پھر جون 2007ء میں سات چینی باشندوں کو یرغمال بنا لیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس آپریشن کے پس پردہ چین کی حکومت کا سخت ترین دباؤ تھا تو بیجا نہ ہوگا۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ چینی باشندوں کے اغواء اور رہائی کے بعد چین کی حکومت نے وزیر داخلہ آفتاب شیر پاؤ کو سخت ترین الفاظ میں تنبیہ کی تھی۔ اپنے شہریوں کے اس طرح اغواء پر چینی صدر ہو جن تاؤ بہت غصے میں تھے۔ اسکے بعد ہی رینجرز کو لال مسجد کے قریب آبپارہ کمیونٹی سنٹر میں لایا گیا تھا اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ ایک بڑا آپریشن ہونے جا رہا ہے لیکن پھر پر اسرار خاموشی طاری ہو گئی۔ اس کے بعد آپریشن اچانک شروع ہوا۔ حکومت نے لال مسجد کمپاؤنڈ کے اردگرد پولیس اور رینجرز تعینات کیں تو مسجد اور مدرسہ کے طلباء یہ سمجھے کہ آپریشن شروع ہونے والا ہے۔ لال مسجد کے طلباء نے یہ صورتحال دیکھ کر رینجرز کے جوانوں کو اغواء کرنے کی کوشش کی اور جب پولیس کی جانب سے مزاحمت ہوئی تو انہوں نے گولی چلادی۔ رینجرز کا لانس نائیک طلبہ کی فائرنگ سے شہید ہوا تو ہر طرف کھلبلی مچ گئی۔

منگل 3 جولائی 2007ء کے روز اسی وقت مسلم لیگ کی پالیسی پلاننگ گروپ کی میٹنگ ہو رہی تھی، جس میں اس وقت کے وزیر اعظم شوکت عزیز، چوہدری شجاعت حسین اور مشاہد حسین بھی موجود تھے۔ یہ میٹنگ محض نصف گھنٹہ جاری رہی اور اسی دوران ان راہنماؤں کو ایوان صدر سے ملاقات کا بلاوا آ گیا اور شوکت عزیز، چوہدری شجاعت حسین، مشاہد حسین، محمد علی درانی، اعجاز الحق، وزیر مملکت ظفر اقبال وڑائچ ایوان صدر آ گئے۔ ایوان صدر میں ہونے والی اس میٹنگ میں تمام

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خفیہ ایجنسیوں کے سربراہ، وزیراعظم شوکت عزیز، چوہدری شجاعت حسین، مشاہد حسین، محمد علی درانی، اعجاز الحق، وزیر مملکت ظفر اقبال وڑائچ، آئی جی اور چیف کمشنر اسلام آباد کے علاوہ رینجرز کے ڈی جی میجر جنرل حسین مہدی اور رینجرز اسلام آباد کے سربراہ کرنل ماشاء اللہ، کور کمانڈر راولپنڈی لیفٹیننٹ جنرل طارق مجید اور ٹرپل ون بریگیڈ کے بریگیڈیئر باجوہ بھی موجود تھے۔ جنرل پرویز مشرف نے میٹنگ کے شرکاء کو نئی صورتحال سے آگاہ کیا اور چوہدری شجاعت حسین اور مشاہد حسین سے اس معاملے پر رائے لی اور پھر باہمی افہام وتفہیم سے یہ طے پایا کہ اب لال مسجد میں موجود انتہا پسندوں کے خلاف ایکشن کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پرویز مشرف کی منظوری کے بعد آپریشن کی تیاریاں شروع کردی گئیں۔ اس آپریشن کو ''آپریشن سائلنس'' کا نام دیا گیا۔

4 جولائی 2007ء کو اس آپریشن کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس روز اسلام آباد میں آبپارہ کے قریب صورتحال انتہائی خراب تھی۔ اسلام آباد کے باسیوں نے اس روز پہلی بار فوج کو ایکشن میں دیکھا۔ جی سکس سیکٹر میں ٹینک نظر آرہے ہیں جبکہ خاکی وردی میں فوج بھی موجود تھی۔ کمانڈوز ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ گولیاں چلنے اور دھماکوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ فوجی مورچوں کے پیچھے لوگوں کی بڑی تعداد پریشانی کی حالت میں کھڑی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے پیارے لال مسجد کے اندر موجود تھے۔ راولپنڈی کور کی 111 بریگیڈ نے لال مسجد کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ لال مسجد کے اردگرد کا علاقہ ہر قسم کی ٹریفک وآمدورفت کیلئے بند کردیا گیا تھا۔ سپیشل فورسز اور دیگر سکیورٹی اہلکاروں کو بے گناہوں کو بچانے اور شرپسندوں کو موقع پر گولی مارنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اسی روز دو بجکر چالیس منٹ پر یہ اعلان کیا گیا لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے اندر موجود لوگ سرنڈر کردیں اور ہاتھ اوپر اٹھا کر ہتھیاروں کے بغیر باہر آجائیں۔ اس وارننگ پر کسی نے کان نہیں دھرے۔ جس کے بعد لال مسجد کے اردگرد قانون نافذ کرنے والے اداروں نے پوزیشنیں سنبھال لیں۔ تین بجکر چودہ منٹ پر فائرنگ شروع ہوگئی۔ اس فائرنگ کے ساتھ ہی اسلام آباد کی فضا میں ہیلی کاپٹروں نے پروازیں شروع کردیں جبکہ بلیو ایریا میں ٹینک چلنا شروع ہوگئے۔ ہسپتالوں کی خالی کرانے کے احکامات کے ساتھ ہنگامی حالت کا اعلان کردیا گیا۔ اس دوران لال مسجد کے ایک سو طالب علم اور چھ طالبات باہر آگئیں۔ اس کے بعد ڈیڈ لائن بارہ گھنٹے اور بڑھادی گئی

۔ مولانا عبدالرشید غازی نے سرنڈر کرنے سے انکار کردیا۔ اس رات آٹھ بجکر دس منٹ پر اس آپریشن کا اہم بریک تھرو ہوا جب مولانا عبدالعزیز کو اس وقت گرفتار کرلیا گیا جب وہ برقع پہن کر فرار ہونے کی کوشش کررہے تھے۔ پانچ جولائی کو بھی سارا دن شدید فائرنگ اور دھماکے ہوتے رہے۔ اس روز لال مسجد کے سوا دیگر علاقوں میں کرفیو میں نرمی کی گئی۔ چار بجے پھر دھماکے ہوئے اور کمانڈوز اور رینجرز نے محکمہ ماحولیات کی بلڈنگ کا کنٹرول سنبھال لیا۔ چھ بجے شدید فائرنگ ہوئی۔ فائرنگ کے تبادلے کی وجہ سے اس روز بیس سے زائد افراد ہلاک جبکہ سو سے زیادہ زخمی ہوئے۔ 6 جولائی کو مولانا عبدالرشید اور ان کے ساتھیوں نے سرنڈر کرنے سے انکار کردیا۔ مسجد سے نکلنے کیلئے مولانا عبدالرشید غازی نے محفوظ راستہ مانگا۔ سات جولائی کو لال مسجد کشیدگی میں مزید اضافہ ہوگیا اور دھماکے اور فائرنگ میں شدت آگئی۔ اس آپریشن میں ڈیڑھ سو کے قریب مسلح جنگجو ہلاک ہوئے جبکہ ایک درجن سے زائد فوجی جوان اور اہلکار شہید ہوئے۔

اگر پوری صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا آپریشن کئی حوالوں سے منفرد اور دلچسپ نظر آتا ہے۔

اس بات پر تو سب متفق تھے کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے معاملے کو جان بوجھ کر طول دیا گیا اور حکومت نے انہیں ڈھیل دیئے رکھی۔ اس کا جواب ہمیشہ حکومت نے یہ دیا کہ ڈھیل دینے اور آپریشن نہ کرنے کی وجہ معصوم جانوں کے ضیاع کو روکنا تھا۔ حکومت کا یہ دعویٰ بھی خاصا مضحکہ خیز لگتا ہے کیونکہ معصوم جانوں کا ضیاع تو آپریشن کے دوران بھی ہوا۔ اس حوالے سے بہت سے لوگوں کا کہنا تھا کہ حکومت نے اگر آپریشن کرنا ہی تھا تو اسے منظم طریقے سے کیا جانا چاہیئے تھا۔ پہلے بجلی اور پانی کے کنکشن کاٹ دیئے جاتے۔ سٹین گرینیڈ زبے ہوشی کے لئے استعمال کئے جاسکتے تھے، سیزر گن کے ذریعے لاؤڈ سپیکر خاموش کئے جاسکتے تھے، لیکن ایسا نہیں کیا گیا اور صرف نیم فوجی دستوں پر انحصار کیا گیا۔ بعض تجزیہ نگاروں کے مطابق آپریشن کے لئے رات کا وقت مناسب تھا، دن کے اجالے میں آپریشن کرکے 50 سے زائد انتہائی قیمتی جانوں کا ضیاع کیا گیا۔ ان قیمتی جانوں کی ذمہ داری کوئی بھی لینے کو تیار نہیں ہے۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہ کیخلاف آپریشن کے ردعمل میں قبائلی علاقوں میں برسرپیکار

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جنگجوؤں نے ملک بھر میں خودکش حملوں کی دھمکی دی اور ان جنگجوؤں نے لال مسجد میں ہونے والی ہلاکتوں کا بدلہ لینے کا اعلان کیا۔ ''مجاہدین باجوڑ'' نامی تنظیم کی طرف سے باجوڑ ایجنسی میں اور گردو نواح میں پمفلٹ بھی تقسیم کیے گئے جن میں کہا گیا کہ قبائلی علاقوں میں پیراملٹری فورسز اور ملک بھر میں پبلک مقامات پر خودکش دھماکے کیے جائیں گے۔ ان پمفلٹس میں لال مسجد آپریشن کی شدید الفاظ میں مذمت کی گئی اور بدلہ لینے کے عزم کا اظہار کیا گیا۔ ان دھمکیوں کے نتیجے میں صرف ایک ماہ کے عرصے میں چار شہروں میں خودکش حملے ہوئے جن میں سینکڑوں جانوں کا ضیاع ہوا۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا سانحہ ایک ایسا سانحہ تھا جس کے پیچھے چھپے ہاتھوں کو آج تک تلاش نہیں کیا جاسکا لیکن اس کا ذمہ دار پرویز مشرف کو ہی سمجھا جاتا ہے۔

پرویز مشرف نے ایک اور بڑی غلطی اس وقت کی جب انہوں نے 10 نومبر 2007ء کو پاکستان آرمی ایکٹ 1952ء میں ترمیم کر کے پاکستان آرمی (ترمیمی) آرڈیننس مجریہ 2007ء جاری کیا۔ اس آرڈیننس کے تحت فوج کو شہریوں کا کورٹ مارشل کرنے کے اختیارات بھی دے دیئے گئے۔ اس آرڈیننس کے تحت فوج اب فوجی تنصیبات پر حملہ یا دہشت گردی میں ملوث افراد سے تفتیش کر سکتی ہے اور ان کے خلاف فوجی عدالتوں میں مقدمہ چل سکتا ہے جبکہ پولیس ایسے ملزمان کو گرفتار بھی نہیں کر سکتی۔ پرویز مشرف نے اس آرڈیننس کو یکم جنوری 2003ء سے موثر کر دیا۔ اس آرڈیننس کے خلاف سخت غم و غصہ دیکھنے میں آیا اور سینکڑوں افراد کو اس آرڈیننس کے تحت ان کے گھروں سے محض اٹھا لیا گیا۔ ان میں بڑی تعداد ان Missing Person کی ہے جو آج بھی انصاف اور اپنے ''پیاروں'' کے لئے دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں لیکن پیپلز پارٹی کی نئی حکومت بھی انہیں نہ تو انصاف دے سکی اور نہ ہی ان کے ''پیاروں'' کو ان سے ملا سکی۔

جس وقت یہ آرڈیننس نافذ کیا گیا اور اس پر سخت ردعمل سامنے آیا تو پرویز مشرف کے مصاحبین اس کے دفاع کے لئے میدان میں نکل آئے۔ اٹارنی جنرل ملک محمد قیوم نے اس آرڈیننس کا دفاع اس طرح کیا۔

''ملک میں دہشت گردی کی وارداتوں کو روکنے کے سلسلے میں دہشت گردی کا قانون موثر

نہ ہونے کی وجہ سے آرمی ایکٹ میں تبدیلی کر کے اس میں کچھ دفعات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ملک میں جیسے جیسے دہشت گردی بڑھ رہی ہے اور فوج کے اہلکاروں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، اسی طرح گورنمنٹ کو اپنی رٹ بھی زیادہ بڑھانی پڑ رہی ہے اور ان دفعات کا صرف ان لوگوں پر اطلاق ہوگا، جو دہشت گردی کے ایسے واقعات میں ملوث ہوں گے، جن کا نشانہ فوج ہوگی۔ آرمی ایکٹ میں چند ترامیم کو شامل کر کے ایکٹ کو حتمی شکل دے دی گئی ہے جبکہ ایکٹ میں پہلے سے موجود سزاؤں میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ آرمی ایکٹ میں مزید چند دفعات شامل کی گئی ہیں، جس کے بعد فوج اب دہشت گردی میں ملوث افراد سے تفتیش کر سکے گی۔ وہ سویلین جن کا آرمی ایکٹ میں ذکر ہے، ان کا کورٹ مارشل کیا جاسکے گا جبکہ فوج، فوجی تنصیبات پر حملہ یا دہشت گردی میں ملوث افراد سے آرمی تفتیش کر سکے گی اور ان کیخلاف فوجی عدالتوں میں مقدمہ چلے گا۔ ایکٹ کے تحت پولیس ایسے ملزمان کو گرفتار نہیں کر سکے گی۔

اٹارنی جنرل سے جب یہ سوال کیا گیا کہ کیا ملک میں نئی فوجی عدالتیں قائم ہوں گی؟ تو انہوں نے کہا کہ فوج کا ایک اپنا نظام ہے اور اس نظام میں آرمی ایکٹ کے تحت جرائم کا فیصلہ بھی وہ خود ہی کرتے ہیں، اس کا ٹرائل بھی خود ہی کرتے ہیں، مگر وہ مستقل عدالتیں نہیں ہیں۔ برطانیہ میں فوج کے پاس اختیارات ہیں کہ وہ کسی مبینہ شدت پسند کو 30 دن حراست میں رکھ سکتے ہیں، اس طرح کا قانون بھارت میں ہے جبکہ امریکہ میں پیٹریاٹ ایکٹ ہے۔ دہشت گردی کی عدالتیں اپنا کام جاری رکھیں گی جبکہ فوجی عدالتوں میں انہی افراد کو لایا جائے گا، جنہوں نے فوج کے اہلکاروں کیخلاف دہشت گردی کی کوئی کارروائی کی ہو۔

اس سوال کے جواب میں کہ فوج کا بنیادی کام سرحدوں کی حفاظت ہے، اٹارنی جنرل نے کہا کہ فوج کو دہشت گردی میں ملوث افراد سے نمٹنے کا بھی اختیار رہنا چاہئے۔ آرڈیننس کے تحت پاکستان آرمی ایکٹ 1952ء کی دفعہ 2 میں شق (ڈی) کی ذیلی شق (i)، ذیلی شق (ii) میں ترمیم کی گئی ہے اور اس میں جو نئی شق شامل کی گئی، اس کے تحت کوئی بھی جرم جو پاکستان کی سلامتی یا دفاع یا ان میں سے کسی ایک یا پاکستان کی مسلح افواج کے خلاف ہو تو یہ ایکسپلوزو ایکٹ 1908ء، پری جوڈیشل کنڈکٹ انڈر دی سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ 1952ء (xxxv آف

www.iqbalkalmati.blogspot.com

1952ء)، دی پاکستان آرمز آرڈیننس 1965ء (ڈبلیو پی آرڈیننس x آف 1965ء)، ملک دشمن سرگرمیوں کے امتناع کے ایکٹ 1974ء (vii آف 1974ء) یا انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997ء (xvii آف 1997ء)، پاکستان پینل کوڈ کی دفعات 109، 117، 120 بی، 121، 121اے، 122، 123، 123اے، 124، 124اے، 148، 302، 353 اور 505 کے تحت جرائم کا مرتکب ہونے یا ان میں سے کسی ایک کے مرتکب ہونے کی کوشش پر یہ قابل سزا ہوگا۔

جنرل مشرف کی ان غلطیوں کا فائدہ اپوزیشن جماعتوں نے اٹھایا اور وہ عدالتی بحران کے نتیجے میں جنم لینے والے پرتشدد واقعات کے ذریعے چند دنوں کے لئے سیاسی گرما گرمی پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئیں لیکن بعدازاں حکومت نے اس صورتحال پر قابو پالیا، تاہم اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ جنرل مشرف کو ملک کے سیاسی، عدالتی، صحافتی اور عوامی حلقوں کی مخالفت، ناراضگی اور تنقید کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ جنرل مشرف ان حلقوں کی ناراضگی برداشت بھی کر سکتے ہیں اور ان سے نمٹ بھی سکتے تھے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ لیکن امریکہ کی ناراضگی وہ برداشت نہیں کر سکتے ۔کیونکہ ان کے سامنے یہ حقیقت بہرحال ہے کہ جس حکمران کی حمایت سے امریکہ نے ہاتھ کھینچ لیا وہ زیادہ دیر حکمرانی نہیں کر سکا۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ میں جنرل مشرف کا کردار ایک ایسا معاملہ ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن اس جنگ میں ان کے کردار کے بارے میں کسی عام آدمی سے بھی پوچھا جائے تو وہ بھی یہی بتائے گا کہ مشرف نے یہ جنگ پاکستان کی بجائے امریکہ کے لئے لڑی۔ یہ بات اب امریکی حکام بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ مشرف نے انہیں ''دھوکہ'' دیا۔ یہ مشرف کی غلط پالیسیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ ایک طرف امریکہ کی طرف سے ان سے دہشت گردی کے خلاف جنگ، افغانستان کے حالات، قبائلی علاقوں میں طالبان کے خلاف غیر موثر اقدامات اور بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کو روکنے میں ناکامی کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار کیا جا رہا ہے اور امریکی سینٹروں کی طرف سے یہ کھلم کھلا کہا جا رہا ہے کہ اگر پاکستان نے خود کوئی کارروائی نہ کی تو امریکی افواج خود کارروائی کریں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکی صدارتی امیدوار بارک اوبامہ کی طرف سے مکہ اور مدینہ پر

حملے کی دھمکی بھی دی جا رہی ہے۔ یہ امریکی بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ وہ دہشت گردی کے خلاف پاکستان کے اقدامات سے مطمئن نہیں۔

ان پے درپے غلطیوں نے جنرل پرویز مشرف کو ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا کہ جنرل مشرف کو بالآخر یہ اعتراف کرنا پڑا کہ کوئی ہے جو ان کے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔ اب تک یقینی طور پر انہیں پتہ چل گیا ہوگا کہ وہ کون تھے جنہوں نے ان کیخلاف سازشیں کر رہے تھے اور کون ان کا ساتھ دے رہے تھے؟ انہوں نے ایک موقع ہر سازشوں کا گڑھ لاہور کو قرار دیا اور لاہور مسلم لیگ نواز کا ہے۔ اس طرح مشرف کا اشارہ میاں نواز شریف فیملی کی طرف تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عدلیہ سے جھگڑا، اصل مسئلہ کیا تھا؟

9 مارچ 2007 کا دن ملکی تاریخ کا ایک سیاہ ترین دن تھا۔ آرمی ہاؤس راولپنڈی میں اس روز معمول سے کچھ زیادہ ہی چہل پہل تھی۔ آرمی ہاؤس کمانڈوز کے گھیرے میں تھا۔ آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ کے علاوہ کئی جرنیل بھی آرمی ہاؤس میں موجود تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی اہم میٹنگ ہونے والی ہے۔ لیکن میٹنگ تو ہو چکی تھی، اب صرف اس میٹنگ میں کئے گئے فیصلے پر عمل درآمد کروانا تھا۔ چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری کو پیغام بھجوایا جا چکا تھا کہ وہ فوری طور پر آرمی ہاؤس پہنچ جائیں اور اب انہی کا انتظار ہو رہا تھا۔

چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری جیسے ہی اپنے سٹاف آفیسر کے ساتھ پروٹوکول گاڑی میں آرمی ہاؤس پہنچے تو انہیں اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں جرنیلوں نے ان کے ساتھ ملنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ آرمی ہاؤس پہنچتے ہی چیف جسٹس آف پاکستان کا پروٹوکول ختم کر دیا گیا اور ایک بند کمرے میں صدر جنرل پرویز مشرف نے ان سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں افتخار محمد چوہدری سے پرویز مشرف کی بہت سی باتیں ہوئیں۔ پرویز مشرف نے افتخار محمد چوہدری سے ان پر لگنے والے الزامات سے متعلق استفسار کیا۔ ان الزامات کی نوعیت چیف جسٹس کے اختیارات سے تجاوز کرنے اور فوائد اٹھانے سے متعلق تھی۔ یہ تمام الزامات معروف وکیل نعیم بخاری کے چیف جسٹس کے نام ایک خط میں بھی لگائے گئے تھے۔ افتخار محمد چوہدری نے ان الزامات کو ماننے سے انکار کیا۔

جنرل پرویز مشرف اس روز فوجی وردی میں کچھ زیادہ ہی جارحانہ انداز میں تھے۔ وہ اس سے پہلے بھی افتخار محمد چوہدری سے اختلافات رکھتے تھے اور ان اختلافات کو ہوا دینے میں شوکت عزیز نے اہم کردار ادا کیا تھا جو اس حوالے سے مختلف اوقات میں انہیں کوئی نہ کوئی ایسی بات بتاتے رہتے تھے جو اختلافات کا باعث بن رہی تھی۔ یہ اختلافات پہلی بار سٹیل ملز ریفرنس کے فیصلے کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ لاپتہ افراد کے کیس پر سپریم کورٹ کے ریمارکس اور احکامات سے بھی حکومت کی سبکی ہوئی تھی اور یہ بھی ثابت ہوا تھا کہ غائب ہونے والے لوگوں کو آئی ایس آئی یا ملٹری انٹیلی جنس نے اغوا کیا ہے۔ اس سے یہ تاثر بھی پیدا ہوا تھا کہ پاکستان کی خفیہ ایجنسیاں خود سر ہو گئی ہیں، وہ اپنے مقاصد یا قومی مفاد کی آڑ میں کسی بھی شخص کو اپنے قبضے میں لے سکتی ہیں یا ”غائب“ کر سکتی ہیں۔ اس کیس نے خفیہ ایجنسیوں کی کارکردگی کو بے حد متاثر کیا اور ان کیلئے ”قومی مفاد“ میں مطلوب اور مشکوک لوگوں سے پوچھ گچھ کرنا مشکل ہو گیا۔ یقینی طور پر انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہوں نے صدر جنرل پرویز مشرف کو بھی اپنی ان مشکلات سے آگاہ کیا ہوگا۔

صدر مشرف افتخار محمد چوہدری سے تین گھنٹے تک سودے بازی کرتے رہے اور ان کو مختلف مقدمات میں اور خاص طور پر لاپتہ افراد کے معاملے میں حکومت کے خلاف ”ریمارکس“ دینے سے گریز کرنے کی تاکید کرتے رہے۔ صدر مشرف نے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو یہ بھی کہا کہ وہ لاپتہ افراد کے معاملے میں حکومت مخالف کلمات سے پرہیز کریں اور انہیں حکومت چلانے دیں۔ چیف جسٹس کا نقطہ ذرا مختلف تھا۔ وہ قانون اور انصاف کی بالادستی کی بات کر رہے تھے۔ یہی وہ موقع تھا جب صدر مشرف نے اچانک باتیں کرتے ہوئے پینترا بدلا اور چیف جسٹس کو کہا کہ وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں۔

افتخار محمد چوہدری کے لئے یہ ایک بہت بڑا جھٹکا تھا۔ ملک کا صدر انہیں مستعفی ہونے کے لئے کہہ رہا تھا۔ اس موقع پر صدر پرویز مشرف نے اپنا دباؤ برقرار رکھا، تاہم چیف جسٹس آف پاکستان نے بھی اس دباؤ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ آرمی چیف کی وردی میں ملبوس پرویز مشرف کو یقین تھا کہ جسٹس افتخار محمد چودھری ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی طرح ٹی وی پر آ کر تمام الزامات اپنے سر لے لیں گے یا استعفیٰ دیدیں گے لیکن جسٹس افتخار محمد چودھری نے استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پرویز مشرف یہ صورتحال دیکھ کر کمرے سے نکل گئے اور ان کی جگہ ان کے ساتھی جرنیلوں نے سنبھال لی۔ ان میں ملٹری انٹیلی جنس اور آئی ایس آئی کے سربراہان شامل تھے۔ ان جرنیلوں نے بھی چیف جسٹس کو اس بات پر راضی کرنے کی ہر ممکن کوشش کی کہ وہ استعفیٰ کا اعلان کر دیں۔ اس مقصد کے لئے افتخار محمد چوہدری کو ڈرایا دھمکایا گیا اور لالچ بھی دیا گیا لیکن افتخار محمد چوہدری ڈٹے رہے۔ افتخار محمد چوہدری کے لئے یہ بڑی عجیب صورتحال تھی کہ انہیں جانے بھی نہیں دیا جا رہا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ انہیں کمرے میں محبوس کر دیا گیا ہے۔ حقیقت میں ایسا ہی تھا۔ انہیں آٹھ گھنٹے تک آرمی ہاؤس میں رکھا گیا اور اس کا ایک خاص مقصد تھا۔

آرمی ہاؤس میں ایک طرف یہ پروگرام جاری تھا تو دوسری طرف ایک اور پروگرام بھی چل رہا تھا۔ پی ٹی وی پر خبر چلانے کے انتظامات مکمل کر لئے گئے تھے اور نئے چیف جسٹس بھی حلف اٹھانے کے لئے تیار تھے۔ جب تک قائم مقام چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس جاوید اقبال نے اپنے عہدے کا حلف نہیں اٹھالیا۔ چیف جسٹس آف پاکستان کو آرمی ہاؤس سے جانے نہیں دیا گیا۔ نئے چیف جسٹس، جسٹس جاوید اقبال کی تقریب حلف برداری تمام ٹی وی چینلز پر دکھائی گئی۔ اگرچہ اس وقت سینئر ترین جج جسٹس بھگوان داس تھے لیکن ان کے بیرون ملک ہونے کی وجہ سے جسٹس جاوید اقبال کو قائم مقام چیف جسٹس بنایا گیا۔

چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو اس ساری کارروائی کا علم اس وقت ہوا جب نئے قائم مقام چیف جسٹس نے حلف اٹھالیا اور یہ خبر ساری دنیا میں پھیل گئی۔ افتخار محمد چوہدری کو بغیر پروٹوکول کے پولیس کے ایک ایس پی نے ان کے گھر پہنچا دیا اور ان کی نظر بندی کے احکامات جاری کر دیئے گئے۔

صدر پرویز مشرف اپنے دور اقتدار کا متنازعہ ترین فیصلہ کر چکے تھے اور وہ چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری کی معزولی کے اقدام سے اپنے زوال کی جانب قدم بڑھا چکے تھے۔ چیف جسٹس آف پاکستان کے خلاف جس طرح کارروائی کی گئی ہے اسے عوامی حلقوں میں بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ عوامی رائے فیصلے کے سخت خلاف اور حیران تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایسی کیا وجہ بنی کہ صدر مشرف نے اپنے ایک فیصلے کے ذریعے ایک بار پھر ملک کو بحران کی طرف دھکیل دیا۔ آخر ایسی کیا نوبت آگئی تھی کہ صدر شرف کو یہ اقدام اٹھانا پڑا؟

سپریم کوٹ کے بہت سے فیصلے ایسے تھے جو براہ راست حکومت کے خلاف جاتے تھے۔ ان فیصلوں نے حکومت کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور حکومت کی ساکھ بُری طرح متاثر ہوئی تھی۔ بسنت کے حوالے سے سپریم کورٹ کے ریمارکس اور عدلیہ کا فیصلہ ایک طرح سے صدر جنرل پرویز مشرف پر تنقید تھا۔ عدلیہ کہہ رہی تھی کہ بسنت پر پابندی ہے اور بسنت نہیں منائی جاسکتی جبکہ صدر جنرل پرویز مشرف کہہ رہے تھے کہ بسنت ہر صورت منائی جائے گی، جس کے بعد گورنر پنجاب نے آرڈیننس بھی جاری کر دیا۔ جو لوگ سٹیل ملز کیس کو حکومت اور چیف جسٹس آف پاکستان کے درمیان اختلافات کی بڑی وجہ قرار دے رہے ہیں، شاید ان کے علم میں یہ بات نہیں کہ یہ کیس کن لوگوں نے دائر کیا تھا اور انہیں بے ضابطگیوں کے دستاویزی ثبوت کس نے فراہم کئے تھے۔ سٹیل ملز کی نجکاری کے بعد خفیہ ایجنسیوں نے اس حوالے سے ایک تفصیلی رپورٹ صدر جنرل پرویز مشرف کو فراہم کی تھی۔ صدر جنرل پرویز مشرف اور مسٹر جسٹس افتخار محمد چودھری کے درمیان اختلافات کی بنیادی وجہ لاپتہ افراد کا کیس بھی تھا، جبکہ باقی معاملات نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ان میں ایک فوج اور رینجرز کی جانب سے بعض زمینوں کی خرید وفروخت کا معاملہ بھی تھا۔

حکومت اور افتخار محمد چوہدری میں اختلافات کا باعث بننے والے بعض اقدامات کی تفصیل یہ ہے۔

☆14 ستمبر 2006 کو سپریم کورٹ نے کراچی سٹی گورنمنٹ کی یہ اپیل مسترد کر دی جس میں اس نے کراچی میں چھ اہم سڑکوں پر کمرشل پلاٹ بنانے کی پابندی معطل کرنے کی درخواست کی تھی۔ سندھ حکومت نے 1998ء میں شاہراہ فیصل، شاہراہ پاکستان، یونیورسٹی روڈ، ناظم آباد بلاک ''اے'' روڈ، راشد منہاس روڈ اور طارق روڈ پر کسی بھی قسم کے حالات میں کمرشل پلاٹ بنانے پر پابندی عائد کی تھی ایم کیو ایم کے ناظم مصطفیٰ کمال اس پابندی کو ختم کرانا چاہتے تھے۔

☆21 اکتوبر 2006 میں سپریم کورٹ نے گوادر میں ارکان قومی اسمبلی، سینٹرز، ارکان صوبائی اسمبلی، وزراء اور دیگر اہم شخصیات کو حکومت کی طرف سے خصوصی کوٹہ سے الاٹ کئے گئے 50 رہائشی و صنعتی پلاٹوں کی الاٹمنٹ منسوخ کرنے کے احکامات دیئے۔ بعد ازاں جسٹس افتخار کی سربراہی میں 9 رکنی بنچ نے کیس کی سماعت کی اور دو لاکھ 41 ہزار 6 سو ایکڑ اراضی کی منتقلی کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ریکارڈ بارے سوال اٹھایا اور بورڈ آف ریونیو سے غیر قانونی الاٹمنٹ کے بارے میں رپورٹ طلب کی۔ عدالت نے سرکاری زمین کی وزراء اور دیگر حکمرانوں کو الاٹمنٹ روکنے کا حکم دیا۔ معزول چیف جسٹس نے آبزرویشن دی کہ سرکاری زمین کو نجی زمین میں نہ بدلا جائے۔ عدالت کو اس موقع پر یہ بھی بتایا گیا کہ 241600 ایکڑ زمین کی الاٹمنٹ کے بعد بلوچستان حکومت کے پاس گوادر میں صرف 25 ہزار ایکڑ زمین رہ گئی ہے۔ عدالت نے ایڈووکیٹ جنرل کو تمام غیر قانونی الاٹمنٹ منسوخ کرنے اور تمام زمین صوبائی حکومت کو واپس کرنے کے احکامات دیئے۔

☆8 اگست 2006 کو سپریم کورٹ نے پاکستان سٹیل ملز کی نجکاری منسوخ کر دی جسے نجکاری کمیشن نے کابینہ کمیٹی کی منظوری کے بعد پرائیوٹائز کیا تھا۔ عدالت عظمیٰ نے قرار دیا کہ نجکاری کا تمام عمل جلد بازی میں کیا گیا اور مالی مشیر کے موازنے سے پہلے ملز کے منافع بخش پہلو کو نظر انداز کیا گیا اور تمام عمل میں بے قاعدگیاں اور قانون کی خلاف ورزی کی عکاسی ہوئی۔

☆27 جون 2006ء کو جسٹس افتخار کی سربراہی میں سپریم کورٹ نے قرار دیا کہ ارکان پارلیمنٹ کو پنچائیت کے ذریعے متوازی عدالتیں لگانے کا کوئی اختیار نہیں کہ وہ تلافی کے طور پر غیر اسلامی رسموں ونی اور سوارہ کے نام پر نابالغ لڑکیوں کی شادیاں کرائیں۔ نوڈیرو سندھ کی دو اور تین سالہ انیلہ اور تسلیم، مردان کی 4 سالہ منی اور آٹھ سالہ مرینہ پنچایت کے فیصلوں سے متاثر ہونے والوں میں شامل تھیں۔ جنہیں جنگ بندی کیلئے دشمن کے حوالے کیا گیا تھا۔ جسٹس افتخار نے اس ظالمانہ رسم کا نوٹس لیا اور حکام کو اس ظلم کو ہونے سے روکنے کیلئے سخت احکامات دیئے۔

☆معزول چیف جسٹس نے ماحول خراب کرنے کے حوالے سے رہائشی علاقوں میں صنعتوں کے قیام کے متعدد منصوبوں کا بھی سخت نوٹس لیا جس میں ''پاکستانی ہسٹری'' کا بڑا منصوبہ بھی شامل تھا اور اطلاعات کے مطابق صدر پرویز کے اس میں ذاتی مفادات تھے۔

☆سپریم کورٹ نے نیو مری پراجیکٹ کو بھی روک دیا کیونکہ اس سے مری کی آدھی خوبصورتی ختم ہو جاتی تھی۔ اس پراجیکٹ میں گجرات کے چوہدریوں کے ذاتی مفادات تھے۔

☆کیم جولائی 2006ء کو سپریم کورٹ نے فیصلہ کیا کہ ماتحت عدالتوں کے جس فیصلے سے کرپشن اور غلط ساعت کے امکانات نظر آئیں گے انہیں کالعدم قرار دے دیا جائے گا۔

☆سپریم کورٹ نے 25 جون 2007ء کو اشیائے خورد ونوش کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کا بھی نوٹس لیا۔ اس وقت جسٹس افتخار غیر فعال تھے۔ عدالت عظمیٰ نے اس وقت مختلف محکموں کے سربراہوں کو طلب کر کے دانشمندانہ پالیسیاں وضع کرنے اور ذخیرہ اندوزی جیسے مسائل ختم کرنے کی ہدایت کی۔

☆26 جولائی 2007 میں سپریم کورٹ نے حکومت کو حکم دیا تھا کہ حکومت انسانی اعضاء کی پیوندکاری سے متعلق آرڈیننس کے اجراء کیلئے ایک ماہ میں حتمی اقدامات کرے اور گردے جیسے انسانی اعضاء کی سمگلنگ میں ملوث افراد کو معاف نہ کرے۔

☆سندھ میں ایک جاگیردار عبدالرحمٰن مری نے اپنی زمینوں پر جبری مشقت لینے کے لئے منوبھیل قبیلے کے 70 کاشتکاروں کو جبری اغوا کر لیا۔ 4 فروری 1998ء کو منوبھیل فیملی کے 9 ارکان کو ایک لینڈ لارڈ نے ایک لاکھ 90 ہزار روپے کے قرضے کے بدلے دوبارہ اغوا کر لیا۔ غیر ملکی انسانی حقوق تنظیموں کی درخواست پر عدالت عظمی نے معاملے کا از خود نوٹس لیا اور سندھ پولیس کو منوبھیل خاندان کے افراد کی بازیابی کا حکم دیا اور عدالت عظمیٰ کی مداخلت پر اس وقت کے رکن اسمبلی اور لینڈ لارڈ عبدالرحمٰن مری کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔

☆سپریم کورٹ نے ملک کے مختلف حصوں میں ریاستی مشینری کی طرف سے صحافیوں کو ہراساں کرنے کے متعدد واقعات کا بھی از خود نوٹس لیا۔ خصوصا 29 ستمبر 2007ء کو صحافیوں کو وکلاء کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران ریاستی مشینری کی طرف سے بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ متعلقہ حکام نے کوئی ایکشن نہ لیا تو جسٹس افتخار نے کیم اکتوبر 2007ء کو ایک اور تاریخی سوموٹو ایکشن لیا اور پولیس تشدد کرنے والوں کو عدالت میں طلب کیا۔

☆سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو شہید اور فرحت اللہ بابر کی پٹیشنوں پر جسٹس افتخار سمیت عدالت عظمی نے قرار دیا کہ نئی ووٹر لسٹوں سے لاکھوں پاکستانی ووٹ کے حق سے محروم ہو جائیں گے۔ سپریم کورٹ کے حکم پر لاکھوں پاکستانیوں کے نام ووٹر لسٹوں میں درج کئے گئے۔

☆3 نومبر 2007ء کو معزول چیف جسٹس کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے 7 رکنی بنچ نے چیف آف آرمی سٹاف کی طرف سے پی سی او ایمرجنسی کے اقدام کو کالعدم قرار دیتے ہوئے اسے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

غیر آئینی قرار دیا۔

چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو منصب سے ہٹا کر صدر مشرف نے جو بڑی غلطی تھی، اس کا خمیازہ انہیں بعد میں بھگتنا پڑا۔ اس اقدام کے بعد جو سب سے بڑا اور اہم سوال پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ کیا صدر جنرل پرویز مشرف ایسا کر سکتے ہیں؟ آئینی ماہرین کا کہنا تھا کہ وہ صرف ریفرنس دائر کر سکتے ہیں، چیف جسٹس کو صرف جوڈیشل کونسل فارغ کر سکتی ہے۔

چنانچہ حکومتی منصوبہ سازوں نے یہ کیس سپریم جوڈیشل کونسل کو بھیج دیا۔

صدر کے بعض مشیرانِ باتدبیر نے انہیں اس امر کا یقین دلایا تھا کہ سپریم جوڈیشل کونسل میں چیف جسٹس افتخار چودھری کی قسمت کا فیصلہ زیادہ سے زیادہ چھ دنوں میں ہو جائے گا اور اُن کی عدالتی مہم جوئی سے نجات مل جائے گی، مگر صدر جنرل پرویز مشرف کو صرف تین روز کے اندر دن کے وقت میں ہی تارے نظر آنے لگے۔ حکومت کی خودسر خفیہ ایجنسیوں نے طاقت کے گھمنڈ اور اظہار وفاداری میں ایسے ایسے کرتب دکھائے کہ پوری دنیا میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوگیا۔ چیف جسٹس کو بالوں سے گھسیٹنے اور جیو ٹی وی کے خلاف پولیس گردی کے شرمناک مناظر نے حکومت کی اخلاقی ساکھ پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ اختیارات سے لیس اور وردی میں ملبوس پرویز مشرف کو میڈیا سے معافی مانگنا پڑی اور مجرموں کو عبرت آموز سزا دینے کا اعلان کرنا پڑا لیکن ایسا نہ ہوسکا۔

9 مارچ 2007ء کو چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی برطرفی کے بعد جب وکلاء اور سول سوسائٹی کی ایک طویل تحریک چلی تو پہلی بار سپریم کورٹ نے نظریہ ضرورت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایسا فیصلہ دیا، جسے پاکستان کی عدالتی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری بحال کردیئے گئے۔

عدلیہ نظریہ ضرورت کے بندھن سے آزاد ہو چکی تھی لیکن یہ آزادی حکمرانوں کو پسند نہ آئی اور بالآخر 3 نومبر 2007ء کو ملک میں ایمرجنسی نافذ کردی گئی۔ صرف ان ججوں کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی اجازت ملی جنہوں نے عارضی آئینی حکم نامے پی سی او کے تحت حلف اٹھایا تھا۔ پی سی او کے تحت حلف نہ اٹھانے والے تمام ججوں کو برطرف کردیا گیا۔ پہلی بار سپریم کورٹ اور ہائیکورٹ کے ججوں کی ایک بڑی تعداد نے پی سی او کے تحت حلف اٹھانے سے انکار کیا۔ ان برطرف ہونے

والے ججوں میں وہ جج بھی شامل تھے جنہوں نے قبل ازیں پی سی او کے تحت حلف اٹھاتے ہوئے فوجی حکومت کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا تھا تاہم اب انہوں نے بھی غیر آئینی حکومت کے ساتھ چلنے سے انکار کردیا۔ یہ عدلیہ کی آزادی کی طرف ایک فیصلہ کن قدم تھا۔ اس وقت سے اب تک صدر پرویز مشرف اپنی زندگی کے بدترین دباؤ میں ہیں اور پورے ملک میں عدلیہ پر فوجی شب خون مارنے کے خلاف اشتعال روز بروز پھیل رہا ہے۔

18 فروری 2008ء کے انتخابات کے نتیجے میں مسلم لیگ نواز اور پاکستان پیپلز پارٹی نے عوام سے اس وعدے کے ساتھ ووٹ لئے کہ وہ اقتدار میں آکر تمام ججز کو بحال کردیں گے۔ اس انتخابی نعرے کے بدلے میں عوام نے پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز کو مشترکہ طور پر ووٹ دیئے۔

پیپلز پارٹی نے وفاق میں حکومت بنائی اور نواز لیگ اس کی اتحادی جماعت کے طور پر سامنے آئی۔ دونوں جماعتوں نے ججز کی بحالی کے لئے اعلان مری پر بھی دستخط کیئے اور ججز کی بحالی کو اپنی اولین ترجیح قرار دیا لیکن عملی طور پر حالت یہ تھی کہ پیپلز پارٹی کی حکومت سو دنوں میں بھی ججز کی بحالی کا وعدہ پورا نہ کرسکی۔ شائد پیپلز پارٹی کو انتظار مناسب وقت کا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایمرجنسی کیوں لگی؟

13 نومبر 2007ء بھی بہت سے دیگر دنوں کی طرح ایک عام سا دن تھا لیکن تاریخ میں اس دن کو اس لئے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ اس روز پرویز مشرف نے ایک اور بڑی غلطی کی جو ان کے دور اقتدار میں ہونے والی غلطیوں کی تعداد بڑھا کر ان کے زوال کا باعث بنیں۔ پرویز مشرف نے ایک عبوری آئینی حکم (PCO) جاری کرتے ہوئے پورے ملک میں ایمرجنسی نافذ کر کے آئین کو معطل کر دیا۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو برطرف کر کے پریس پر پابندیاں لگا دیں اور ملک میں سرکاری ٹی وی کے علاوہ دیگر نیوز ٹیلیویژن چینلز کی نشریات بھی بند کر دی گئیں۔ سیاسی قائدین کو گرفتار کر کے گھروں میں نظر بند کر دیا گیا اور جیلیں احتجاج کرنے والوں سے بھر گئیں۔

ملک بھر میں ایمرجنسی کا فیصلہ اس وقت کیا گیا جب ایوان صدر میں جنرل پرویز مشرف کی صدارت میں ایک اہم اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں حکومت کے قانونی مشیروں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے افسران نے بھی شرکت کی اور جنرل پرویز مشرف کے صدارتی انتخاب کو خلاف آئین قرار دیے جانے کی صورت میں متبادل انتظامات کے بارے میں مشاورت کی گئی۔ اس سے قبل وزیر اعظم ہاؤس میں ہونے والے ایک اجلاس میں پیمرا اور وزارت اطلاعات کے اعلیٰ حکام نے شرکت کی جس میں ملک میں نافذ العمل میڈیا پالیسی کا از سر نو جائزہ لیا گیا۔

ملک میں گزشتہ چار روز سے ایمرجنسی یا مارشل لاء کے نفاذ کی باتیں تواتر کے ساتھ ہو رہی تھیں تاہم حکومتی ترجمان کی طرف سے اس کی جھوٹی تردید کر کے عوام کو بے وقوف بنایا جا رہا تھا۔

یہ اطلاعات آ رہی تھیں کہ صدر پرویز مشرف کی اہلیت کے خلاف سپریم کورٹ میں دائر درخواستوں پر فیصلہ بارہ نومبر 2007ء کے بعد متوقع ہے۔ یہ باتیں بھی ہو رہی تھیں کہ یہ فیصلہ پرویز مشرف کے خلاف آنے والا ہے۔ اس وقت تک حکومت کی طرف سے یہ اطلاعات بھی پھیلائی جا چکی تھیں کہ اگر فیصلہ صدر مشرف کے خلاف آیا تو ملک میں مارشل لاء یا ایمرجنسی نافذ کی جا سکتی ہے۔ ان اطلاعات کو پھیلانے کا مقصد دراصل سپریم کورٹ کے جج صاحبان تک یہ پیغام پہنچانا تھا کہ وہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کریں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ چونکہ ایمرجنسی کے نفاذ کی اطلاعات آ رہی تھیں اس لئے معروف قانون دان اعتزاز احسن نے سپریم کورٹ میں ایمرجنسی کے ممکنہ نفاذ کے خلاف آئینی درخواست دائر کر رکھی تھی۔ اس درخواست کا فیصلہ سپریم کورٹ نے ایمرجنسی کے نفاذ سے ایک روز قبل 12 نومبر 2007 کو ہی سنایا تھا۔ سپریم کورٹ کے ججوں نے عبوری آئینی حکم کو کالعدم قرار دیتے ہوئے تمام فوجی اور سول حکام کو ہدایت کی تھی کوئی بھی پی سی او کے تحت خدمات سرانجام نہ دے اور نہ جج پی سی او کے تحت حلف اٹھائیں۔ اعتزاز احسن نے یہ درخواست ایمرجنسی یا پی سی او کے ممکنہ نفاذ کے خلاف دائر کی تھی۔ یہ درخواست صدر کے کاغذاتِ نامزدگی کی منظوری کے خلاف دائر شدہ درخواست کی سماعت کے دوران دائر کی گئی تھی۔

امرجنسی کے نفاذ سے قبل واقعات یکے بعد دیگرے رونما ہوئے۔ ایک صحافی کے لئے ان واقعات کی اہمیت بہت زیادہ تھی لیکن ہر نئے واقعہ کے ساتھ ہی پرانا واقعہ دب جاتا اور نئے واقعہ کے بارے میں خبر کے حصول کی بھاگ دوڑ شروع ہو جاتی۔ یہی حال میرا تھا۔

سب سے پہلے مقامی نجی ٹی وی چینلوں پر یہ خبر نشر کی گئی کہ پرائم منسٹر ہاؤس میں ایک اہم اجلاس ہو رہا ہے جس میں پیمرا اور وزارت اطلاعات کے اعلیٰ حکام ملک میں نافذ العمل میڈیا پالیسی کا از سر نو جائزہ لے رہے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا کہ ایوان صدر میں ہونے والے ایک اجلاس میں ملک کی عمومی صورت حال سے متعلق اہم فیصلے کیے جا رہے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد پولیس ذرائع سے یہ اطلاعات موصول ہوئیں کہ پنجاب کانسٹیبلری کے پندرہ سو جوانوں کی خدمات اسلام آباد انتظامیہ کے حوالے کی جا رہی ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆شام پانچ بجے سے ذرا دیر بعد ملک کے بڑے شہروں میں کیبل آپریٹروں نے نجی نیوز چینل کی نشریات بند کر دیں۔ اس اقدام سے متاثر ہونے والے نجی ٹی وی چینلوں میں اے آر وائی، جیو اور آج شامل تھے۔ پیمرا حکام نے حالات حاضرہ سے متعلق پروگرام نشر کرنے والے ایف ایم ریڈیو سٹیشنوں کو بند کر دیا۔ اسلام آباد میں پاور 99 اور کراچی میں مست ایف ایم 103 اس اقدام کی زد میں آئے۔ اس کے ساتھ ہی سرکاری ٹی وی چینل پی ٹی وی سے اعلان کیا گیا کہ چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف نے ملک میں ایمرجنسی نافذ کر دی ہے اور آئین معطل کر کے عبوری آئینی حکم نامہ جاری کر دیا ہے۔

صدر پرویز مشرف نے ایمرجنسی بطور آرمی چیف لگائی اور آرمی چیف کا عہدہ چھوڑنے سے پہلے اسے ہٹانے کا اختیار صدر مملکت کو دیدیا۔ بعض غیر ملکی ماہرین کا کہنا ہے کہ پاکستان کے آئین میں صدر کو ایمرجنسی لگانے کا اختیار حاصل نہیں ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس لیے یہ ایمرجنسی نہیں بلکہ مارشل لاء ہے تاہم پاکستانی ماہرین نے اس سے ''ایمرجنسی پلس'' قرار دیا ہے۔

صدر پرویز مشرف نے اپنے اس اقدام کا دفاع قوم سے خطاب کرتے ہوئے کیا:

عدلیہ کے بعض افراد کی وجہ سے ایمرجنسی ناگزیر تھی۔ ایمرجنسی کے تحت آئین کے باب اول میں دیئے گئے چند حقوق معطل کیے گئے ہیں۔ حکومت کی رٹ ختم ہو چکی تھی جس کے باعث ملک بھر میں خودکش دھماکے ہو رہے تھے، اس لیے دہشت گردی کی روک تھام کے لیے حکومت کو مزید اختیارات درکار ہیں جن کی مدد سے دہشت گردی پر جلد قابو پا لیا جائے گا۔ یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ مارچ اور اپریل کے صرف دو مہینوں میں شمالی وزیرستان میں کم و بیش 250 شدت پسند ہلاک ہوئے تھے، حالات اس قدر خراب ہیں کہ وہاں دو تین دھماکوں میں امن وامان بحال کرانے والے قبائل عمائدین بھی قتل ہو چکے ہیں۔ ایک دھماکے میں جرگہ میں شامل کئی افراد بھی جاں بحق ہوئے۔ ان میں بعض غیر ملکی باشندے بھی شامل تھے۔

ایمرجنسی کے نفاذ کے ساتھ ہی پی سی او کے تحت حلف نہ اٹھانے والے ججز کو برطرف کر دیا گیا۔ ایمرجنسی کے نفاذ کے ساتھ ہی صدر مشرف نے عبوری آئین بھی نافذ کیا جس کے تحت نئے ججوں سے حلف لیا گیا۔ اسلام آباد میں سپریم کورٹ کے سینئر جج جسٹس عبدالحمید ڈوگر نے چیف

جسٹس آف پاکستان کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ ان کے ساتھ تین دیگر ججوں نے اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا۔ جسٹس سید سعید اشہد نے کراچی میں اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ کوئٹہ میں جسٹس امان اللہ یاسین زئی نے بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ جبکہ ہائی کورٹ کے چار دیگر ججوں نے بھی نئے عبوری آئین کے تحت حلف اٹھایا۔ کراچی میں چیف جسٹس محمد افضل سومرو سمیت سندھ ہائی کورٹ کے چار ججوں نے پی سی او کے تحت گورنر ہاؤس میں ایک تقریب کے دوران حلف اٹھایا۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس افتخار حسین چودھری کے علاوہ بارہ ججوں نے عبوری آئینی حکم کے تحت اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا۔ جبکہ چار مزید ججوں نے اگلے روز اتوار کو حلف اٹھایا۔ پشاور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور چھ ججوں نے ہفتہ کی رات اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا۔ سرحد کے گورنر علی محمد جان اورکزئی نے چیف جسٹس طلعت قیوم قریشی سے حلف لیا جبکہ جسٹس طلعت قیوم قریشی نے باقی ججوں سے حلف لیا۔

جس وقت ایمرجنسی لگانے کا اعلان کیا گیا تو اسی وقت سپریم کورٹ کے سات رکنی بینچ نے چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف کی جانب سے ملک میں ایمرجنسی نافذ کرنے کے حکم کو کالعدم قرار دے دیا۔ تاہم نئے پی سی او ججوں نے سپریم کورٹ کی جانب سے یہ وضاحت کی کہ سپریم کورٹ کے سات رکنی بنچ کی جانب سے ایمرجنسی کو کالعدم قرار دینے کے فیصلے کی کوئی آئینی حیثیت نہیں ہے۔

امریکہ، برطانیہ اور بھارت سمیت متعدد عالمی ممالک نے پاکستان میں ہنگامی حالت کے نفاذ کو مایوس کن قرار دیا۔ برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ نے کہا کہ وہ اس صورت حال پر شدید فکرمند ہیں جبکہ نئی دہلی میں بھارتی سرکاری ترجمان نے کہا کہ پاکستان جن مشکل حالات سے گزر رہا ہے اس پر بھارت کو افسوس ہے۔ کینیڈا کی حکومت نے جنرل مشرف کے اس اقدام کی شدید مذمت کی جبکہ یورپی یونین نے بھی سخت ردعمل کا اظہار کیا اور کہا کہ پاکستان کو جلد عوام کی حکمرانی اور جمہوریت کی طرف لوٹنا چاہیے۔

ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد ملک میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے، ان کا مختصر احوال ذیل میں دیا جا رہا ہے:

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆ تین نومبر: صدر مشرف نے ملک کی عدلیہ کو نظام میں رکاوٹ کی بڑی وجہ قرار دیتے ہوئے ایمرجنسی نفاذ کردی اور اعلیٰ ججوں اور آئین کو معطل کردیا۔

☆ چار نومبر: پولیس نے حزبِ اختلاف کے خلاف کارروائی شروع کردی جن پر صدر مشرف کے اہم حامی امریکہ نے بھی اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔

☆ پانچ نومبر: پولیس نے ملک کے بیشتر شہروں میں ایمرجنسی کے خلاف احتجاج کرنے والے وکلاء کے خلاف آنسو گیس کا استعمال کیا اور لاٹھی چارج کیا، جس سے سینکڑوں وکلاء زخمی ہوئے۔

☆ چھ نومبر: معطل چیف جسٹس سپریم کورٹ افتخار محمد چودھری نے اپنے گھر سے عوام کو آواز بلند کرنے کو کہا مگر جلد ہی ان کا بیرونی دنیا سے رابطہ ختم ہو گیا اور ان کے تمام ٹیلی فون کاٹ دیئے گئے۔

☆ سات نومبر: ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد سے اہم ترین دن تھا جب اپوزیشن کی مرکزی رہنماء بے نظیر بھٹو نے صدر مشرف کے اقدامات کے خلاف عوامی احتجاج کا اعلان کردیا جبکہ دوسری جانب اس روز امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے ایک دوستانہ ٹیلی فون کال کر کے صدر سے شفاف انتخابات کرانے اور آرمی چیف کا عہدہ چھوڑنے کا کہا۔

☆ نو نومبر: پولیس نے بے نظیر بھٹو کو اسلام آباد میں اُن کی رہائش گاہ پر نظر بند کردیا، اور بعد میں اُن کی نظر بندی کے احکامات واپس لے لئے گئے۔ بے نظیر کی نظر بندی راولپنڈی میں اُن کی ریلی سے چند گھنٹوں پہلے کی گئی تھی۔

☆ گیارہ نومبر: صدر مشرف نے اسمبلیاں پندرہ نومبر کو ختم کرنے اور عام انتخابات جنوری کے اوائل میں کرانے کا اعلان کیا۔

☆ بارہ نومبر: ملکی سیاسی صورتحال ایک بار پھر اُس وقت تبدیل ہو گئی جب بے نظیر بھٹو نے شراکتِ اقتدار کے لئے صدر مشرف سے مزید بات چیت کو خارج از امکان قرار دے دیا۔

☆ تیرہ نومبر: بے نظیر بھٹو کی جانب سے پہلی بار بیان جاری ہوا کہ وہ صدر مشرف کے ماتحت کبھی وزیرِ اعظم کا عہدہ قبول نہیں کریں گی۔

☆ پندرہ نومبر: ایک سینئر حکومتی عہدے دار کی جانب سے یہ بیان جاری کیا گیا کہ صدر مشرف یکم دسمبر کو آرمی چیف کا عہدہ چھوڑ دیں گے اور نگران حکومت کے وزیرِ اعظم کے طور پر

سینٹ کے چیئرمین محمد میاں سومرو کا نام سامنے آیا۔

☆ سولہ نومبر: امریکی ڈپٹی سیکریٹری آف سٹیٹ جون نیگرو پونٹے اسلام آباد پہنچے اور بے نظیر بھٹو سے فون پر رابطہ کیا۔ اسی روز بے نظیر بھٹو کی نظر بندی ختم کردی گئی۔

☆ سترہ نومبر: جون نیگرو پونٹ نے صدر مشرف اور دیگر سیاسی رہنماؤں اور فوجی افسران کے ساتھ مصروف دن گزارا اور اہم گفتگو کر کے معاملات کو فائنل کیا۔

☆ اٹھارہ نومبر: نیگرو پونٹے نے پاکستان حکومت سے ایمرجنسی کے خاتمے کا مطالبہ کیا اور ایمرجنسی کو شفاف انتخابات میں رکاوٹ قرار دیا۔

☆ اُنیس نومبر: پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والے سپریم کورٹ کے ججوں نے صدر مشرف کی اہلیت کے خلاف دائر چھ میں سے پانچ آئینی درخواستوں کو مسترد کردیا۔

☆ بیس نومبر: حکام نے ملک میں عام انتخابات آٹھ جنوری کو کرانے کا اعلان کیا اور لگ بھگ ساڑھے پانچ ہزار سیاسی کارکنوں کو رہا کردیا جو ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد ملک کے مختلف شہروں سے گرفتار کیے گئے تھے۔ اس ہی روز صدر مشرف نے سعودی عرب کا دورہ کیا تاہم سرکاری طور پر وہاں اُن کی سابق وزیرِ اعظم اور دوسرے جلاوطن رہنما نواز شریف سے ملاقات کی تصدیق نہیں کی گئی۔

☆ بائیس نومبر: سپریم کورٹ نے صدر مشرف کے دوبارہ صدر منتخب ہونے کے خلاف دائر اپیل مسترد کردی۔ اس دن ملک میں بنیادی انسانی حقوق کی معطلی کے خلاف دولت مشترکہ نے پاکستان کی رکنیت معطل کردی۔

☆ تیئس نومبر: سپریم کورٹ نے صدر مشرف کی جانب سے ایمرجنسی کے نفاذ کو درست قرار دیا۔

☆ چوبیس نومبر: ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد پہلی بار یکے بعد دیگرے دو خودکش حملے ہوئے۔ یہ حملے راولپنڈی میں ہوئے جس میں کم از کم سیکورٹی فورسز کے بیس اہلکار ہلاک ہوئے۔ اس روز مسلم لیگ (ن) نے 25 نومبر کو نواز شریف کی وطن واپسی کا اعلان کیا۔

☆ پچیس نومبر: نواز شریف جلاوطنی ترک کر کے واپس پاکستان پہنچ گئے جہاں کارکنوں کی بڑی تعداد نے اُن کا استقبال کیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆ چھبیس نومبر: بے نظیر بھٹو اور نواز شریف نے انتخابات کے لئے اپنے کاغذات نامزدگی جمع کرائے۔ دوسری جانب صدر مشرف کے دفتر سے جاری اعلامیے میں کہا گیا کہ وہ بدھ کو فوج سے مستعفی ہو جائیں گے اور جمعرات کو سویلین صدر کا حلف اُٹھائیں گے۔

☆ ستائیس نومبر: صدر مشرف نے فوجی دستوں اور اعلیٰ فوجی افسران سے الوداعی ملاقات کی۔

☆ اٹھائیس نومبر: ایک فوجی تقریب کے دوران صدر مشرف نے فوج کی کمان جنرل اشفاق پرویز کیانی کے سپرد کر دی۔

☆ اُنتیس نومبر: صدر مشرف نے سویلین لباس میں دوسری بار صدر کے عہدے کا حلف اُٹھا لیا اور ایک بار پھر قوم سے خطاب کیا۔

☆ نو دسمبر: صدر مشرف نے اعلان کیا کہ ملک سے ایمر جنسی پندرہ دسمبر کو اُٹھالی جائے گی۔

14 دسمبر 2007ء کو یعنی ایمر جنسی اٹھانے سے ایک روز قبل صدر جنرل (ر) پرویز مشرف نے ملک میں ہنگامی حالت کے خاتمے کی جانب پیش رفت کرتے ہوئے آئین میں ترامیم سے متعلق چار آرڈیننس جاری کئے۔ نئے آرڈیننس کے تحت آئین کے آرٹیکل 41، 44، 193، 194، 208 اور 270 (سی) میں ترامیم کی گئیں۔ اعلان کے مطابق آئین کے آرٹیکل 41 کی شق تین میں صدر کے انتخاب سے متعلق ترمیم کی گئی جو اگست 1988ء سے موثر ہوگی۔ صدر نے ایک اور آرڈیننس کے ذریعے آئین میں ترمیم کرتے ہوئے اسلام آباد میں ہائی کورٹ قائم کر دی۔ اس بابت ایک اور آرڈیننس کے ذریعے چونکہ گورنر کا عہدہ اسلام آباد میں موجود نہیں لہٰذا ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرری کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہوگی تاہم ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹسز سے مشورہ ضروری ہوگا۔ اسلام آباد کے چیف جسٹس سے حلف صدر لے سکیں گے۔ اعلان کے مطابق ہائی کورٹ کے قیام کے بعد لاہور ہائی کورٹ کے راولپنڈی بنچ کے اسلام آباد سے متعلق مقدمات نئی عدالت کو منتقل ہو جائیں گے۔

پرویز مشرف نے اعلیٰ عدالتوں کے ان ججوں کو جنہوں نے تین نومبر کے بعد عبوری آئینی حکم نامے کے تحت حلف نہیں لیا انہیں پنشن اور ریٹائرمنٹ کی دیگر مراعات دینے سے متعلق ایک آئینی ترمیم بھی جاری کی۔ ججوں کی عمر سے متعلق بھی آئین کے آرٹیکل 193 میں ترمیم جاری کی

گئی جس کے تحت ہائی کورٹ کے ججوں کی عمر 45 سال سے کم کر کے چالیس 40 کر دی گئی۔ سرکاری بیان کے مطابق اس کا مقصد کم عمر ججوں کو ان عہدوں پر لانا ہے تاکہ وہ زیادہ عرصہ خدمات انجام دے سکیں۔ آرٹیکل 270 میں بھی ترمیم متعارف کرائی گئی جس کے ذریعے تین نومبر کو حلف نہ لینے والے جج ان عہدوں پر فائز نہیں رہیں گے جبکہ جنہوں نے حلف لیا وہ آئین کے مطابق فرائض انجام دیتے رہیں گے۔

قانونی ماہرین نے ان آرڈیننس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ پرویز مشرف نے اپنے بچاؤ اور استحکام کے لئے جاری کئے۔

15 دسمبر 2007ء کو پرویز مشرف نے بطور صدر ایمر جنسی اٹھالی اور اعلان کیا کہ ایمر جنسی ختم ہونے کے بعد آئین مکمل طور پر بحال ہو گیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

محترمہ بےنظیر بھٹو کو کس نے مارا؟

27 دسمبر 2007ء، شام کے سوا پانچ بجے تھے۔

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے جڑواں شہر راولپنڈی کا مشہور لیاقت باغ جئے بھٹو، جئے بھٹو کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ ہر طرف ایک شور وغل برپا تھا۔ آخر کیوں نہ ہوتا؟ ''روٹی، کپڑا اور مکان'' کے نعرے پر یقین رکھنے والے سیاسی کارکنوں کی محبوب لیڈر عوام کے درمیان تھیں۔ ان کی تقریر ختم ہو چکی تھی اور اب وہ واپس جا رہی تھیں۔ ان کی بلٹ پروف لینڈ کروزر گاڑی نے رینگنا شروع کیا۔ اچانک بینظیر بھٹو نے سڑک کے کنارے پر ''جیالوں'' کا ہجوم دیکھا جو نعرے لگا رہا تھا۔ بینظیر بھٹو کے من میں نہ جانے کیا بات آئی کہ انہوں نے سوچا کہ گاڑی سے باہر نکل کر ان نعروں کا جواب دیا جائے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب ان سے غلطی ہو گئی کیونکہ ایسی صورت میں جبکہ ان کے گرد سکیورٹی حصار بھی نہ تھا اور سکیورٹی کی ذمہ داری پیپلز پارٹی کے چند کارکن ہی انجام دے رہے تھے، یہ فیصلہ کرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ لیکن فیصلہ ہو چکا تھا اس لئے بینظیر بھٹو نے گاڑی میں اپنے ساتھ موجود مخدوم امین فہیم کو کہا کہ سن روف کھول دو۔ امین فہیم نے نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا کر دیا۔ بینظیر بھٹو جب (سن روف سے) نکل کر کھڑی ہوئیں تو کسی کے بھی ذہن میں خیال نہیں تھا کہ ان پر قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے۔ جس جذبے سے محترمہ بینظیر بھٹو کارکنوں کے نعروں کا جواب دینے کے لیے اٹھیں اس وقت انہیں روکنا بھی ممکن نہیں تھا۔ بینظیر بھٹو باہر نکلیں اور ہاتھ ہلا کر نعروں کا جواب دیا۔ بس یہی وہ لمحہ تھا جب تقدیر نے ان کا فیصلہ کر دیا۔

ایک بجلی سی کوندی۔ ایک فائر ہوا، ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا............ محترمہ گاڑی میں گر گئیں۔ عین اسی وقت ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ارد گرد موجود لوگوں کے پرخچے اڑ گئے۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا ہے؟ سب یہی سمجھے کہ خودکش حملہ ہوا ہے۔ اندر گاڑی میں محترمہ خون میں لت پت پڑی تھیں۔ ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھانے کی کوشش کی لیکن گاڑی نے چلنے سے انکار کر دیا۔ امین فہیم اور چند دیگر پارٹی راہنماؤں کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ ان کی محبوب لیڈر اور پارٹی کی سربراہ محترمہ بینظیر بھٹو شدید زخمی حالت میں تھیں۔ ایک بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ہر طرف خون تھا اور انسانی جسموں کے لوتھڑے ہر طرف بکھرے پڑے تھے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار نے آسمان کو بھی ہلا دیا تھا۔ پیپلز پارٹی کے راہنماؤں نے فوری طور پر اپنی محبوب قائد محترمہ بینظیر بھٹو کو دوسری گاڑی میں منتقل کیا اور نزدیکی جنرل ہسپتال لے گئے۔

اس وقت تک یہ اطلاع پھیل گئی تھی کہ محترمہ بینظیر بھٹو پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے اور انہیں زخمی حالت میں جنرل ہسپتال لے جایا گیا ہے۔ یہ اطلاع پھیلتے ہی پیپلز پارٹی کے کارکن جوق در جوق جنرل ہسپتال پہنچنا شروع ہو گئے۔ سب محترمہ بینظیر بھٹو کی زندگی کی دعا مانگ رہے تھے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

سب سے پہلے راولپنڈی کے جنرل ہسپتال کے باہر پی پی پی کے رہنما سینیٹر بابر اعوان نے بتایا کہ حملے میں بینظیر بھٹو انتقال کر گئی ہیں۔ یہ اطلاع پھیلتے ہی کہرام مچ گیا۔ ہر طرف چیخ و پکار تھی۔ پیپلز پارٹی کے کارکن دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں ہی یہ خبر پاکستان سمیت پوری دنیا میں پھیل گی۔ اس کے ساتھ ہی کاروبار زندگی مفلوج ہو گیا۔ بازار بند ہو گئے اور ملک بھر میں ہنگامے شروع ہو گئے۔ محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل پر ایسے ہی ردعمل کی توقع کی تھی۔ اس حملے میں پی پی پی کی رہنما شیری رحمان اور ناہید خان اور امین فہیم بھی زخمی ہوئے اور پندرہ افراد ہلاک اور بیسیوں زخمی ہوئے۔ وزارت داخلہ نے بعد ازاں ایک مختصر پریس نوٹ جاری کیا جس میں بتایا گیا کہ حملے کے بعد محترمہ بینظیر بھٹو شدید زخمی حالت میں جنرل ہسپتال لے جایا گیا تھا لیکن انہیں نہیں بچایا جا سکا۔

پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل نے صدر پرویز مشرف کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سب کچھ منصوبہ بندی کے تحت ہوا یا اتفاقی حادثے کے طور پر؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنا جتنا مشکل تھا اتنا ہی آسان بھی تھا۔ محترمہ بےنظیر بھٹو کے قتل نے صدر پرویز مشرف کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور یہ وہ موقع تھا جب پرویز مشرف کو پہلی بار یہ احساس ہوا کہ شائد ان کی اور انکے ساتھی جرنیلوں کی منصوبہ بندی کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن انہیں کوشش تو کرنا تھی، کیونکہ بچاؤ کا راستہ یہی تھا۔

محترمہ بےنظیر بھٹو کو کس نے مارا اور کیوں مارا؟ یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب تلاش کرنا چنداں مشکل نہیں۔ عام طور پر یہ رائے پائی جاتی ہے کہ 8 جنوری کو ہونے والے الیکشن میں بےنظیر کی جیت یقینی اور ان کا وزیراعظم بننا طے پا چکا تھا۔ یہ بات اسٹیبلشمنٹ کو گوارا نہیں تھی جو بےنظیر کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے تھے۔ ان کا قتل انہی سارے عوامل کے پس منظر میں ہوا۔ خود بےنظیر بھٹو نے اپنے سر پر منڈلاتے موت کے سائے کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ قتل سے دو مہینے پہلے انہوں نے امریکہ میں اپنے دوست مارک سیگل کو ای میل کے ذریعے اطلاع دی تھی کہ اگر پاکستان میں ان کا قتل ہوتا ہے تو اس کے لئے پرویز مشرف ذمہ دار ہوں گے۔

پیپلز پارٹی کا موقف یہ تھا کہ ان کی لیڈر بےنظیر کا قتل اس لئے ہوا کہ وہ مشرف حکومت اور آئی ایس آئی کے ذریعے انتخابات میں ہونے والی بدعنوانیوں کی سازش کا پردہ فاش کرنے والی تھیں اور راولپنڈی ریلی کے بعد پاکستان میں موجود امریکی ممبران پارلیمنٹ کو اس سلسلے میں 160 صفحات پر مشتمل ایک دستاویز پیش کرنے والی تھیں۔ پیپلز پارٹی کے ذرائع کے مطابق 27 دسمبر کو رات 9 بجے بےنظیر بھٹو کی امریکی سینیٹروں سے ملاقات طے تھی اس ملاقات میں بےنظیر بھٹو نے عام انتخابات دھاندلی کے حکومتی منصوبوں کے بارے میں اہم انکشاف بھی کرنا تھا۔

وزارت داخلہ کے ترجمان اور کرائسس منیجمنٹ سیل کے انچارج بریگیڈئر ریٹائرڈ جاوید اقبال چیمہ نے 28 دسمبر 2007ء کو اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس میں محترمہ بینظیر بھٹو کی ہلاکت سے متعلق ابتدائی تفصیل بیان کرتے ہوئے الزام لگایا کہ اس واقعہ کے ذمہ دار بیت اللہ محسود ہیں اور انہوں نے ہی سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو کو قتل کروایا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بینظیر

بھٹو نہ تو خودکش حملہ آور کے بم کے ٹکڑے سے اور نہ ہی گولی لگنے سے جاں بحق ہوئی ہیں۔ بینظیر بھٹو نے جب گاڑی کی چھت سے سر نکال کر عوامی نعروں کا جواب دی رہی تھیں اس وقت تین گولیاں چلائی گئیں اور ساتھ ہی خودکش حملہ ہوا۔ اس خودکش حملہ آور کے بم کے جھٹکے سے بینظیر بھٹو کا سر ''سن روف'' کے کنڈے سے لگا جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوئی۔ بریگیڈئر ریٹائرڈ جاوید اقبال چیمہ نے بتایا کہ پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے یہ بات چیت بھی ریکارڈ کی ہے جس میں بیت اللہ محسود اور ان کا ایک ساتھی ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔

محترمہ بےنظیر بھٹو پر خودکش حملے میں بیت اللہ محسود کے ملوث ہونے کی سرکاری اطلاع نے نہ صرف پاکستانیوں بلکہ دنیا بھر کی حکومتوں کو چونکا دیا۔ مشرف حکومت کے اس دعویٰ کے بعد ہر خاص و عام یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں کسی بھی واقعہ کی تحقیقات کے سلسلے میں وقت درکار ہوتا ہے اور تحقیقاتی ادارے واقعہ کی چھان بین کر کے اصل چہروں کو بےنقاب کرتے ہیں لیکن یہاں پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے چند ہی گھنٹوں میں اس سانحہ کا سراغ لگا لیا جبکہ اس کے برعکس ملک میں ہونے والے سینکڑوں خودکش حملوں میں ملوث افراد کا ابھی تک سراغ نہیں لگایا جا سکا۔

حکومت کی جانب سے بینظیر بھٹو کے قتل میں ملوث ہونے کے شک کی بڑی وجہ ان کی مبینہ طور پر کسی ''مولوی صاحب'' سے ٹیلیفون پر ریکارڈ کی جانے والی گفتگو تھی۔ تاہم حقیقت یہ تھی کہ 28 دسمبر 2007ء کی صبح سوا نو بجے یعنی شہادت کے اگلے ہی روز ہونے والی اس گفتگو میں نا تو بینظیر کا نام لیا گیا ہے اور نہ ہی کسی تاریخ/دن کا جس سے اندازہ ہو کہ یہ اسی واقعے کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔

حکومت کے دعویٰ کی قلعی اس وقت کھل گئی جب بیت اللہ محسود نے اگلے ہی روز اس الزام کی تردید کر دی کہ پاکستان میں ہونے والے حالیہ خودکش حملوں کے پیچھے اس کا ہاتھ ہے۔ بیت اللہ محسود کے علاوہ پیپلز پارٹی نے بھی حکومتی موقف کو مسترد کر دیا اور پیپلز پارٹی کے ترجمان فرحت اللہ بابر نے الزام لگایا کہ حکومت اصل چہروں کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ فرحت اللہ بابر نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہا کہ بیت اللہ محسود نے دو قابل اعتماد ذرائع کے ذریعے انہیں پیغام بھیجا تھا کہ ان کی محترمہ بینظیر بھٹو سے کوئی دشمنی نہیں اور نہ ہی وہ کراچی میں اٹھارہ اکتوبر کے حملے میں ملوث تھے۔۔

تحریک طالبان پاکستان کے ترجمان مولوی عمر نے بھی بی بی سی سے بات کرتے ہوئے وزارت داخلہ کے ترجمان بریگیڈیر جاوید اقبال چیمہ کے تمام دعووں کی سختی سے تردید کی اور کہا کہ وہ بینظیر بھٹو کے قتل میں ملوث نہیں ہیں۔ بینظیر کا قتل چونکہ ایک سیاسی معاملہ ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ اس میں حکومت یا اس کی ایجنسیاں ملوث ہوں۔ مولوی عمر کے مطابق حکومت قبائلیوں کے لیے مشکلات پیدا کرنے اور انہیں کچلنے کے لیے اس قسم کے الزامات لگا رہی ہے۔ پہلے بھی حکومت نے یہ الزام لگایا کہ اسامہ بن لادن باجوڑ میں ہیں اور اب یہ الزام عائد کیا گیا ہے تو ان سب باتوں کا مقصد قبائلیوں کو بدنام کرنا ہے۔

بیت اللہ محسود کی تردید اور پیپلز پارٹی کی طرف سے حکومتی موقف کو مسترد کیے جانے کے بعد یہ سوال اپنی جگہ اہمیت اختیار کر گیا کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کی طرف سے ریکارڈ کی جانے والی گفتگو کس کی تھی؟

حکومت کی جانب سے فوراً بینظیر کے قتل کی ذمہ داری بیت اللہ محسود پر ڈالنے کے عمل کو بہت سے لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا کیونکہ ابھی تک تو کچھ بھی واضح نہیں ہوا تھا۔ حکومت کی اس جلد بازی نے کئی سوالات کو جنم دیا اور حکومت کی ذمہ داریوں میں اضافہ کر دیا۔ پہلی ذمہ داری تو یہ تھی کہ حکومت یہ ثابت کرتی کہ یہ گفتگو واقعی بینظیر بھٹو کے قتل سے متعلق تھی۔ اسے ثابت کرنا آسان نہ تھا۔ شائد اسی لئے ایسا نہ کیا گیا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ تھی کہ اس کا بظاہر مقصد بین الاقوامی اور اندرونی دباؤ کا مقابلہ کرنا تھا۔

اس گفتگو کے اصل ہونے کے لیے دو چیزیں انتہائی اہم تھیں۔ ایک یہ کہ یہ کب ریکارڈ کی گئی اور دوسرا یہ کہ جس واقعے پر دونوں اشخاص ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے وہ کون تھے؟ اس آڈیو سے ان دونوں کلیدی سوالات کے جواب حاصل نہیں ہوتے۔ حکومت کا دعویٰ تھا کہ یہ گفتگو محترمہ بینظیر بھٹو کی ہلاکت کے دوسرے روز صبح سوا نو بجے ریکارڈ کی گئی۔ اگرچہ یہ ایک تکنیکی مسئلہ ہے لیکن یہاں منصوبہ ساز اس بات کو بھول گئے کہ بعض ویڈیو کیمروں میں تو شاید کوئی

بھی فلم بناتے وقت دیگر معلومات جیسا کہ ریکارڈنگ کی تاریخ اور وقت محفوظ ہو جاتا ہے لیکن کسی بھی آڈیو ریکارڈر میں آج تک شاید ایسی کوئی سہولت موجود نہیں۔ ایسی صورت میں حکومت کا اس گفتگو کی ٹائمنگ کا دعویٰ بڑا عجیب سا لگتا ہے۔

وزارت داخلہ کے ترجمان بریگیڈیئر ریٹائرڈ جاوید اقبال چیمہ کا اس گفتگو کے بارے میں مزید کہنا تھا کہ اس گفتگو کا انہوں نے بیت اللہ محسود کی اس سے قبل ریکارڈ کی جانے والی آوازوں سے موازنہ کیا ہے اور اس تصدیق کہ بعد کہ یہ انہی کی ہے حکومت نے یہ بیان جاری کیا ہے۔ جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ حکومت قتل کے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر بیت اللہ کی گفتگو ریکارڈ کر سکتی ہے جس میں وہ واضح طور پر اپنی موجودگی کے بارے میں بھی بتا رہا ہے کہ وہ مکین میں قیام پذیر ہے تو پھر اس کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی گئی؟ اس کا جواب جاوید اقبال چیمہ نے یہ کہتے ہوئے دیا کہ یہ کہنا آسان ہے، کرنا مشکل ہے۔

اس سے پہلے سانحہ کارساز کا الزام بھی بیت اللہ محسود پر لگایا گیا تھا۔ سانحہ کارساز اس وقت وقوع پذیر ہوا تھا جب محترمہ بے نظیر بھٹو اپنی جلاوطنی ختم کر کے اور حکومت سے مفاہمت کے بعد 18 اکتوبر 2007ء کو کراچی آئیں تھیں اور ان کی آمد کے سلسلے میں نکالی جانے والی ریلی میں محترمہ بے نظیر بھٹو کے ٹرک کے قریب ہی خودکش حملہ ہوا تھا جس میں 150 کے قریب افراد جاں بحق ہو گئے تھے۔

سانحہ کارساز خودکش حملے کی بابت بھی بیت اللہ محسود کا یہی موقف سامنے آیا تھا کہ وہ اس میں ملوث نہیں ہیں۔ بیت اللہ محسود نے کہا تھا۔

"میں اپنے ہی ملک کے خلاف جنگ نہیں لڑنا چاہتا، میں ان خودکش حملوں کی مذمت کرتا ہوں، میں ان میں ملوث نہیں ہوں۔"

بیت اللہ محسود کو بے نظیر بھٹو پر ہونے والے حملوں میں ملوث کرنا آسان تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مفاہمت کے بعد بینظیر بھٹو کی واپسی پر جس واحد خطرے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا وہ ان کی سکیورٹی کا تھا۔ اس خوف اور خطرے کا احساس خود بینظیر بھٹو کو بھی تھا۔ اس خوف کی فضا کی ذمہ داری جنوبی وزیرستان میں مقامی طالبان کمانڈر بیت اللہ محسود سے منصوب اُس بیان کے بعد قائم

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوئی تھی جس میں انہوں نے مبینہ طور پر بینظیر بھٹو کی آمد پر خودکش حملوں کی دھمکی دی تھی۔ تاہم یہ بیان جس شخص کے ذریعے سامنے آیا، یعنی سینٹر صالح شاہ، تو انہوں نے اس کی فوراً تردید کردی تھی کہ بیت اللہ نے ایسی کوئی دھمکی نہیں دی ہے۔ اس وضاحت کے باوجود بعض عناصر اس دھمکی کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے رہے۔ اسی خطرے کے پیش نظر بے نظیر بھٹو نے پرویز مشرف سے بلٹ پروف گاڑیوں کی درآمد کی اجازت طلب کی جو انہیں بالآخر دے دی گئی تھی لیکن ان کا خوف کم نہیں ہوسکا تھا۔

بے نظیر بھٹو کی آمد سے ایک روز قبل ایک اور طالبان کمانڈر حاجی عمر نے ایک بیان میں کہا کہ بینظیر بھٹو امریکہ کے کہنے پر پاکستان آرہی ہیں تاکہ وہ طالبان کے خلاف کارروائیاں کرسکیں لیکن اگر انہوں نے ایسا کیا تو صدر جنرل پرویز مشرف کی طرح ان پر بھی حملے کیے جاسکتے ہیں۔ ان کے اس بیان کے بعد بعض صحافیوں نے بیت اللہ محسود کے ترجمان ذوالفقار محسود سے ملاقات کی تو انہیں اندازہ ہوا کہ وہ فی الحال بینظیر بھٹو کو ہدف بنانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے لیکن اقتدار میں آنے کے بعد اگر وہ صدر پرویز مشرف کی قبائلی علاقوں سے متعلق پالیسیاں جاری رکھتی ہیں تو صورتحال یقیناً تبدیل ہوسکتی ہے۔

27 دسمبر 2007ء کو جو کچھ ہوا، پاکستان کی سیاسی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

بے نظیر بھٹو کی شہادت کے فوری بعد پاکستان میں افواہوں کا بازار گرم ہوگیا اور جگہ جگہ یہ سوال پوچھا جانے لگا کہ حملہ کس نے کیا اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟ پاکستان میں چونکہ یہ روایات رہی ہے کہ ہر بم دھماکے اور خودکش حملے کا الزام القاعدہ اور طالبان جنگجوؤں پر لگادیا جاتا ہے، اس لئے فوری طور پر ہر عام و خاص شخص کا ذہن القاعدہ اور طالبان کی طرف گیا۔ حقیقت کیا تھی؟ کیا محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل میں القاعدہ ملوث تھی؟

سابق وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے 27 دسمبر 2007ء کو اپنی آمد سے پندرہ روز قبل اپنے انٹرویوز میں کہا تھا کہ القاعدہ ان پر حملہ کرواسکتی ہے کیونکہ القاعدہ عورت کی حکمرانی اور جمہوریت کی مخالف ہے۔ جس وقت انہوں نے یہ کہا تھا کہ اس وقت کوئی اندازہ بھی نہیں کرسکتا تھا کہ کوئی ایسا واقعہ بھی پیش آسکتا ہے۔ تاہم سب کچھ اس کے برعکس ہوا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کے اس انٹرویو کے تناظر میں سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا القاعدہ نے اپنی دھمکی سچ ثابت کردکھائی؟ یہ ایسا سوال تھا جس کا جواب تلاش کرنا خاصا مشکل تھا۔

بے نظیر بھٹو کی شہادت میں القاعدہ کے ملوث ہونے کی اطلاعات کو تقویت اس وقت ملی جب ان کی شہادت کے اگلے ہی روز افغانستان میں القاعدہ نے بے نظیر بھٹو کو خودکش حملے میں شہید کرنے کی ذمہ داری قبول کرنے کا اعلان کردیا۔ امریکی ٹی وی سی این این کے مطابق ایف بی آئی اور محکمہ ہوم لینڈ سکیورٹی نے 27 دسمبر بروز جمعرات یعنی اس المناک سانحہ کے چند گھنٹوں بعد ہی ایک بلیٹن جاری کرکے بتایا کہ القاعدہ نے بے نظیر بھٹو کو لیاقت باغ راولپنڈی میں ہونے والے خودکش حملے میں شہید کرنے کی ذمہ داری مبینہ طور پر قبول کرلی ہے۔ القاعدہ نے یہ ذمہ داری اپنے معمول کے مطابق دنیا بھر کی مختلف اسلامی ویب سائٹ پر بیانات جاری کرکے نہیں بلکہ غیر معروف اطالوی نیوز ایجنسی اڈنکرونوس انٹرنیشل (اے کے آئی) کو ٹیلی فون کرکے قبول کی۔ افغانستان میں القاعدہ کے کمانڈر اور ترجمان مصطفیٰ ابوالیزید نے مزکورہ نیوز ایجنسی کو ٹیلی فون کرکے بتایا کہ ہم نے امریکہ کے اس قیمتی اثاثے کو ختم کردیا ہے جس نے مجاہدین کو شکست دینے کا عزم کیا تھا۔ مصری مصطفیٰ ابوالیاز د سابق بینکر ہیں جو القاعدہ کے دوسرے بڑے رہنما ایمن الظواہری کے قریبی سمجھے جاتے ہیں۔ انہیں افغانستان میں القاعدہ کا کمانڈر مقرر کیا گیا تھا۔ اے کے آئی کے مطابق القاعدہ کے نائب سربراہ ایمن الظواہری اکتوبر کے مہینے سے بے نظیر بھٹو کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کررہے تھے۔

یہ درست ہے کہ القاعدہ اور طالبان کے پاس بینظیر بھٹو کو مارنے کی کئی وجوہات تھیں۔

سیکولر، مغرب میں تعلیم یافتہ اور ایک ایسی خاتون سیاستدان کی حیثیت سے جس کے برطانیہ اور امریکہ سے قریبی تعلقات تھے وہ اسلامی انتہا پسندوں کو مخالفت کی کئی وجوہات فراہم کرتی تھیں۔

اس وقت دو متضاد آراء گردش کرہی تھیں۔ حکومت کی طرف سے یہ بھی کہا گیا کہ قاتل القاعدہ یا طالبان یا دونوں تھے۔ تاہم اس پر یقین کرنا اس لئے مشکل تھا کیونکہ پیپلز پارٹی اس سے انکار کررہی تھی اور بے نظیر بھٹو اپنی زندگی میں ہی بہت سے خدشات کا اظہار کرچکی تھیں۔ بے نظیر بھٹو جانتی تھیں کہ اگر انہیں راستے سے ہٹایا گیا تو انہیں ہٹانے والے کون لوگ ہوں گے؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایسی صورت میں جہاں القاعدہ، طالبان اور اس سے ملحقہ اسلامی گروپوں کے ملوث ہونے کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا وہاں اس بات کے امکان سے بھی نظریں نہیں چرائی جا سکتیں کہ اس سازش میں اور لوگ شریک ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ پاکستانی سیاست کے گنجل میں بہت سے ایسے اسلامی عسکریت پسند گروپ ہیں جن کا تعلق نہ القاعدہ سے ہے اور نہ حکومت سے لیکن اس کے باوجود کسی ایک سے یا دونوں سے روابط ہیں۔ آئی ایس آئی نے ایک طویل عرصے تک افغانستان میں طالبان اور اور کشمیری علیحدگی پسندوں کی حمایت کی۔ صدر مشرف نے امریکہ کو قائل کرنے کے لیے بہت کوششیں کیں کہ انہوں نے آئی ایس آئی میں ایسے عناصر کو ختم کر دیا ہے جن کے دہشت گرد تنظیموں کے ساتھ تعلقات تھے لیکن پھر بھی بہت سے لوگوں کو شک ہے کہ ابھی پرانے رابطے پوری طرح ختم نہیں ہوئے۔

محترمہ بھٹو کے حامیوں کی اس رائے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حملے کی ذمہ دار صدر مشرف کی حکومت ہے۔ یہ حامی خاص طور پر آئی ایس آئی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ان کے مطابق بینظیر بھٹو کی اقتدار میں متوقع واپسی سے پریشان تھی۔ اس رائے کو لوگ جتنے بھی اعتماد سے پیش کریں اس کو سچ ثابت کرنے کے لیے آزاد شواہد نہیں ہیں اور مکمل طور پر شفاف اور غیر جانبدار انکوائری کے بغیر حقیقت شاید کبھی بھی معلوم نہ ہو سکے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل نے پرویز مشرف کو سخت نقصان پہنچایا۔ پرویز مشرف خود کو اتنے بڑے سانحے سے بری الذمہ قرار دے رہے تھے حالانکہ وہی اس سانحے کے ذمہ دار تھے۔

بے نظیر بھٹو نے اپنے اوپر ہونے والے پہلے حملے (سانحہ کارساز) کے بارے میں اپنی کتاب ''ریکنسیلی ایشن، اسلام، ڈیموکریسی اینڈ دی ویسٹ'' (مفاہمت: اسلام، جمہوریت اور مغرب) میں واضح طور پر لکھا:

''پرویز مشرف حکومت مجھ پر حملے کے خطرے سے آگاہ تھی، انہیں منصوبہ سازوں کے نام اور ٹیلی فون نمبر تک معلوم تھے، حتیٰ کہ ان کی اپنی پارٹی اور قریبی حلقے کے ان لوگوں کے بارے میں بھی پتا تھا جو ہمارے خیال میں اس سازش میں شریک ہیں۔ ہماری بار بار کی درخواستوں کے باوجود بھی ہمیں ایسی کوئی رپورٹ نہیں ملی کہ میری واپسی سے قبل ان لوگوں کے خلاف کوئی قدم

اٹھایا گیا ہے۔ صدر پرویز کو میری حفاظت اور سیکورٹی کے حوالے سے تشویش لاحق تھی لیکن ان کے حامیوں نے میری زندگی کے تحفظ کے لیے بہت ہی معمولی سے اقدامات کیے۔''

بے نظیر بھٹو نے اتنے واضح انداز میں سب کچھ بتا دیا لیکن حکومت ان کی سکیورٹی کو بہتر بنانے کے لئے کچھ نہ کر سکی۔ کیا یہ نااہلی نہیں؟ بے نظیر بھٹو نے اپنی کتاب میں 18 اکتوبر 2007ء کو پاکستان واپسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔

''میری وطن واپسی کی کوششوں کی حوصلہ شکنی کی گئی، صدر مشرف نے مجھے نجی ملاقاتوں میں بتایا کہ مجھے الیکشن کے بعد پاکستان واپس آنا چاہیے۔ لیکن جب یہ واضح ہو گیا کہ میں ہر قیمت پر پاکستان واپس جاؤں گی تو پھر میرے عملے کو صدر مملکت کا یہ پیغام ملا کہ میں عوامی اجتماع یا جلوس میں شرکت نہ کروں، ایر پورٹ پر اترنے کے بعد ہیلی کاپٹر کے ذریعے براہ راست بلاول ہاؤس چلی جاؤں، صدر نے کہا کہ وہ میری سیکورٹی اور تحفظ کے حوالے سے تشویش میں مبتلا ہیں لیکن ان کے حامیوں کو میرے تحفظ کے لیے جو کچھ کرنا چاہیے تھا انہوں نے بہت ہی کم اقدامات اٹھائے۔ ہمیں موبائل سگنل جام کرنے والے آلات و سڑکوں پر روشنی چاہیے تھی، میرے قافلے کے راستے میں خالی کھڑی گاڑیوں کو ہٹائے جانے کی ضرورت تھی اور بطور سابق وزیر اعظم میرے تحفظ کے لیے یہ اقدامات میرا حق تھے۔ مجھے یہ صدر پرویز کے پیغامات سے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ میری واپسی کے فوری بعد صوبہ سرحد و قبائلی علاقوں سے بھیجے جانے والے خودکش سکواڈ میرے قتل کی کوشش کریں گے۔ بے نظیر بھٹو مزید لکھتی ہیں:

مجھے مشرف حکومت اور برادر مسلم ملک نے چار خودکش بمبار گروہوں کے بارے میں بتایا۔ میں نے صدر پرویز کو ایک خط بھی لکھا تھا جس میں انہیں بتایا کہ اگر عسکریت پسند مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو اس کی ذمے داری آپ کی حکومت میں موجود ان کے حمایتیوں پر ہو گی جن کے بارے میں میں بتا چکی ہوں کہ وہ مجھے راستے سے ہٹانے کے درپے ہیں تا کہ میری وجہ سے ان کے اقتدار کو لاحق خطرات ختم ہو جائیں۔ جس وقت میں پاکستان پہنچی، اس وقت بھی جنرل صاحب کے لوگ میری وطن واپسی کے خلاف تھے، وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے مزار کے سائے میں عوامی اجتماع سے خطاب کروں لیکن میں جانتی تھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ جو لوگ جمہوریت اور میری لیڈر شپ پر یقین رکھتے ہیں وہ کراچی کی سڑکوں پر میرے منتظر ہیں، جب شام کے سائے منڈلانے لگے، روشنی کو اندھیرے نے جذب کرنا شروع کیا اور جب میرے بکتر بند ٹرک کے قریب تک عوام کا جم غفیر پہنچ گیا تو میں نے یہ بات واضح طور پر نوٹ کی کہ سڑک پر نصب سٹریٹ لائٹیں بند ہونا شروع ہو گئیں اور بالآخر مکمل اندھیرے نے اپنے ڈول ڈال دیے، ایسا لگا کہ سگنل جام کرنے والے آلات نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔

میرے شوہر آصف علی زرداری دبئی میں موجود تھے، وہ میری ریلی کی براہ راست کوریج ٹیلی ویژن پر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں بلٹ پروف ٹرک کے اوپر سے عوام کی طرف براہ راست نظر میں نہ آؤں لیکن میں نے ان سے کہا کہ نہیں! مجھے اگلے حصے میں ہی رہنا ہوگا اور عوام کے جوش و جذبے کو آگے بڑھانا ہے۔ کوئی گیارہ بجے کے قریب میں پاکستان پیپلز پارٹی کے پرچم والے لباس میں ملبوس ایک شخص کو دیکھا جس نے ایک مبینہ بچے کو اٹھایا ہوا تھا، وہ بچے کو میری گود میں دینا چاہتا تھا جو بمشکل ایک یا دو برس کا ہوگا، میں نے لوگوں سے کہا کہ اس شخص کو میرے قریب آنے دو لیکن جب لوگوں نے اس کے لیے راستہ بنایا تو وہ آگے نہیں بڑھا لیکن اس نے لوگوں میں موجود کسی اور شخص کو بچہ دینے کی کوشش کی تاکہ اسے مجھ تک پہنچا دیا جائے لیکن میں نے اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں بچہ زمین پر نہ گر جائے اس شخص کو آگے آنے کے لیے کہا۔ اسے بالآخر سیکورٹی گارڈز نے روک لیا۔ میں نے ان سے کہا کہ اسے ٹرک پر آنے دو، لیکن اسی وقت میں ٹرک کے نچلے حصے میں چلی گئی، اب ہمیں شبہ ہے کہ بچے کے کپڑوں میں دھماکہ خیز مواد بھرا ہوا تھا۔ میں نے پی پی پی کی پولیٹیکل سیکرٹری ناہید خان سے ٹرک کے اندرونی حصے میں اپنی مجوزہ تقریر کے بارے میں گفتگو شروع کی، ابھی میں لفظ 'دہشت گرد' پر پہنچی ہی تھی کہ زوردار دھماکہ ہوا، پھر پچاس سیکنڈ کے بعد ہی دوسرا زوردار دھماکہ ہوا، اور پھر وہ سب کچھ ہوا جو بہت ہی دردناک اور افسوس ناک تھا۔ مجھے بالآخر بلاول ہاؤس پہنچا دیا گیا۔ میں نے اپنے شوہر سے بات کی اور انہیں بتایا کہ میں زخمی نہیں ہوں لیکن میں اپنے بچوں سے بات نہیں کر سکی۔ شکر ہے کہ وہ سونے کیلئے چلے گئے تھے اور انہوں نے دھماکہ نہیں دیکھا تھا۔ بعد میں مجھے لاہور کے ایک ایسے اجلاس کے بارے میں بتایا گیا جس میں بم دھماکے کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کے مطابق:

''مخالف سیاسی جماعت کے تین افراد کو پانچ لاکھ ڈالر کے عوض اس کام کے لیے تیار کیا گیا، ان کے نام اعجاز، سجاد تھے، تیسرے کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ جب کراچی میں بم دھماکہ ہوا تو ان میں سے ایک مارا گیا کیونکہ وہ وہاں سے بروقت نکل نہیں پایا تھا۔ خیال ہے کہ یہ وہی شخص تھا جس نے میری گود میں بچہ ڈالنے کی کوشش کی۔ بہرحال بم بنانے کے لیے بم ساز کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے ذرائع کے مطابق یہاں پر قاری سیف اللہ اختر منصوبے میں داخل ہوتا ہے۔ لاہور میں حکام نے اختر سے مدد طلب کی اور انہیں اپنے مطلب کا آدمی مل گیا۔

قاری سیف اللہ اختر کو 26 فروری 2008ء کو لاہور سے گرفتار کیا گیا اور ان سے محترمہ کے قتل کیس کے سلسلے میں تفتیش کی گئی۔ 13 مارچ 2008ء کو انہیں رہا کر دیا گیا کیونکہ ان کے خلاف کوئی الزام ثابت نہیں کیا جا سکا۔ تاہم انہیں 26 مارچ 2008ء کو کراچی پولیس نے پھر گرفتار کر لیا اور 14 جون 2008ء کو انہیں عدم شواہد کی بناء پر پھر رہا کرنا پڑا۔ قاری سیف اللہ اختر کی گرفتاری کی وجہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی کتاب کے مندرجات تھے۔ قاری سیف اللہ اختر نے اپنے وکیل کی وساطت سے کتاب کے پبلشر سمسن اینڈ شسٹر کو بیس کروڑ ڈالر کے ہرجانے کا نوٹس بھیج رکھا ہے۔

بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد چند گھنٹے میں حکومت نے تین موقف تبدیل کیئے ہیں۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ حکومت نے ایسا کیوں کیا اور اپنی پوزیشن کو مشکوک کیوں بنایا؟ پہلے کہا گیا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی موت گولی لگنے سے ہوئی، پھر کہا گیا کہ بم کا ٹکڑا لگنے سے اور پھر کہا گیا ہے کہ موت ''سن روف'' کے جھٹکے سے ہوئی؟ حقیقت کیا تھی؟ سامنے نہ آ سکی۔ اس ''کنفیوژڈ'' صورتحال کی وجہ سے بہت سے ایسے سوال ابھرے جن کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ تاہم بنیادی سوال یہ تھا کہ حملہ آور کون تھے اور کیا بینظیر بھٹو کی موت کو ٹالا جا سکتا تھا؟

بے نظیر بھٹو کے قتل نے پرویز مشرف کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس قتل کا ذمہ دار انہیں قرار دیا جا رہا تھا اور یہ صاف کہا جا رہا تھا کہ پرویز مشرف کی حکومت میں شامل لوگ بے نظیر بھٹو کے قتل میں ملوث ہیں۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات سامنے نہ آنے سے حکومتی رویہ اور بھی مشکوک بن گیا اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تا حال ان سوالوں کے جوابات سامنے نہیں آسکے۔

(1) لیاقت باغ کے جلسے کی ویڈیو فلموں سے لگتا ہے کہ بینظیر بھٹو اوپن ٹارگٹ تھیں۔ ان کو نشانہ بنانا بظاہر مشکل نہیں تھا۔ کیا ان کی سکیورٹی کے لیے اس سطح کے انتظامات کیے گئے تھے جو کراچی کے حملے کے بعد کیے جانے چاہیں تھے؟

(2) خود پیپلز پارٹی نے بھی بینظیر بھٹو کی سکیورٹی پر غور کیا ہوگا۔ ان کے اس انداز میں لوگوں میں گھلنے ملنے کے ممکنہ خطرات کیا پارٹی فورمز میں زیر بحث آئے تھے؟ اور اگر آئے تھے تو کسی ممکنہ حملہ سے بچاؤ کے لئے کیوں اقدامات نہیں کیے گئے؟

(3) جس جگہ خودکش حملہ آور نے دھماکہ کیا، وہ جلسہ گاہ سے باہر تھی۔ وہاں بینظیر کو رکنا بھی نہیں تھا۔ وہ کون لوگ تھے جن کے نعروں کا جواب دینے کے لیے بینظیر اپنی گاڑی کی سن روف سے باہر نکلیں اور پھر فائرنگ اور دھماکہ ہوگیا۔

(4) حملہ آور دو تھے یا ایک؟ اور کیا وہ صرف چانس لے رہے تھے؟ اگر بینظیر سن روف سے باہر نہ نکلتیں تو کیا وہ کسی اور موقع کی تلاش میں حملے کا ارادہ فی الحال ترک کر دیتے؟

(5) سابق وزیراعظم کی موت کیسے ہوئی؟ انہیں گولی لگی، بم کا ٹکڑا یا پھر سن روف کا کنڈا جیسا کہ حکومت کا دعوی ہے؟

(6) لاش کا پوسٹ مارٹم نہ کیے جانے کی درخواست کیوں کی گئی؟ حکومت اور پیپلز پارٹی کی جانب سے یہ فیصلہ کس نے کیا کہ پوسٹ مارٹم نہیں کیا جائے گا؟

(7) پوسٹ مارٹم نہ کرانے کے پیچھے کیا مقاصد کارفرما تھے؟ اگر معاملہ کبھی عدالت میں پہنچتا ہے تو موت کے سبب کا تعین کیسے ہوگا؟ اور اس سے استغاثہ کا مقدمہ کتنا کمزور ہوگا؟

(8) محترمہ بھٹو کی موت کی وجہ کے بارے میں حکومت نے متضاد بیانات کیوں دیئے؟ یہ ثابت کرنے کی کوشش سے اسے کیا فائدہ پہنچا کہ موت گولی لگنے یا بم کا ٹکڑا لگنے سے نہیں ہوئی؟

(9) حملے کے چند ہی گھنٹوں کے بعد جائے وقوعہ کو کیوں دھو یا گیا؟ یہ فیصلہ کس کا تھا؟ احکامات دینے والے کون تھے؟ اور کن لوگوں نے اس پر عمل کر کے سارے ثبوت مٹا دیئے؟

(10) پیپلز پارٹی کے راہنماؤں کی جانب سے متضاد بیانات کیوں آئے۔ مخدوم امین فہیم

اسی گاڑی میں موجود تھے، انہوں نے کیا دیکھا؟ شیری رحمان نے میت کو غسل کرایا، اگر واقعی بینظیر کے سر میں گولی لگی تھی تو جو لوگ گاڑی میں تھے انہیں کیسے پتا نہیں چلا؟

(11) کیا تدفین میں عجلت سے کام لیا گیا؟

(12) بینظیر بھٹو کے مداحوں کو آخری دیدار کی اجازت کیوں نہیں دی گئی؟ تدفین سے قبل کس کس نے ان کی شکل دیکھی اور وہ کیا کہتے ہیں؟

(13) انٹیلی جنس ایجنسیاں اتنی جلدی بیت اللہ محسود اور ان کے ایک ساتھی کی بات چیت ریکارڈ کرنے میں کیسے کامیاب ہوگئیں؟ اگر انٹیلی جنس ایجنسیاں بیت اللہ محسود کی بات چیت انٹرسیپٹ کرنے کی پوزیشن میں تھیں، تو کیا پہلے کسی بات چیت میں ان کی اس کوشش کا ذکر آیا تھا؟

(14) بیت اللہ محسود کی بات چیت سے کہیں یہ واضح طور پر پتہ نہیں چلتا کہ وہ بینظیر بھٹو پر حملے کا ذکر کر رہے ہیں۔ کیا یہ ریکارڈنگ پرانی نہیں ہوسکتی؟

(15) حکومت کے جن عہدیداران کے خلاف بینظیر بھٹو نے شک ظاہر کیا تھا، ان سے اب تک کیوں تفتیش کی گئی؟

جب تک ان بنیادی سوالوں کے جوابات نہیں مل جاتے یہ گتھی الجھتی ہی رہے گی اور اس کا الزام صدر پرویز مشرف اور ان کے حامیوں پر لگتا رہے گا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت نے قتل کی تحقیقات کے لئے اقوام متحدہ کے تحقیقاتی کمیشن کو درخواست دے رکھی ہے تاہم ایسا لگتا ہے کہ بے نظیر بھٹو کے قاتلوں کا بھی پتہ نہیں چل سکے گا اور ماضی کی طرح ان کا قتل بھی نامعلوم قاتلوں کے کھاتے میں ڈال دیا جائے گا۔

۔ایک بین الاقوامی امریکی تنظیم ''ٹیرر فری ٹومارو'' نے 19 سے 29 جنوری 2008ء تک پاکستان بھر میں رائے عامہ کا جائزہ لینے کیلئے کئے گئے ایک سروے کے دوران 1157 افراد سے انٹرویو کئے۔ اس سروے کے مطابق 58 فیصد پاکستانیوں کا خیال یہی ہے کہ بینظیر کے قتل میں مشرف ان کے اتحادی سیاستدان یا حکومتی ایجنسیاں ملوث ہے، صرف 7 فیصد لوگوں کا خیال تھا کہ بے نظیر بھٹو کے قتل میں القاعدہ ملوث ہوسکتی ہے۔ بہر حال بے نظیر بھٹو کے قاتلوں کو سامنے لا کر بے نقاب کرنا پیپلز پارٹی کی حکومت کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

الیکشن 2008ء، انقلاب کیسے آیا؟

پندرہ نومبر 2007ء کو پاکستان کی پارلیمانی تاریخ میں ایک نئی تاریخ نے جنم لیا۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار قومی اسمبلی نے اپنی مدت پوری کی اور مسلم لیگ (ق) کی حکومت اپنی مدت پوری کرنے کے بعد تحلیل ہوگئی۔ نگران حکومت قائم کردی گئی اور نئے انتخابات کا اعلان کردیا گیا۔

انتخابات سے قبل صدر پرویز مشرف کی حکومت اپنا ''ہوم ورک'' مکمل کر چکی تھی۔ عام انتخابات اور اس کے نتیجے میں بننے والی حکومت میں ''بندر بانٹ'' کے تمام فیصلے ہو چکے تھے۔ بنیادی طور پر اس ''بندر بانٹ'' کے چار مرکزی کردار تھے۔ پہلے نمبر پر پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بے نظیر بھٹو، دوسرے نمبر پر مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں نواز شریف، تیسرے نمبر پر مسلم لیگ (ق) کی قیادت اور چوتھے نمبر پر ایک پریشر گروپ کے طور پر متحدہ مجلس عمل کے راہنما مولانا فضل الرحمٰن تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ مطالبہ تھا۔ بے نظیر بھٹو چاہتی تھیں کہ ان کے خلاف تمام مقدمات ختم کر کے انہیں برسر اقتدار آنے دیا جائے۔ نواز شریف چاہتے ہیں کہ انہیں سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں ملک واپس آنے اور انتخابات میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے۔ مسلم لیگ (ق) اور خاص طور پر چوہدری برادران چاہتے ہیں کہ کسی بھی طرح بے نظیر بھٹو سے ڈیل نہ ہو اور نہ ہی نواز شریف واپس آئیں تاکہ انہیں حکومت سازی کا دوبارہ موقع مل سکے۔ متحدہ مجلس عمل کے راہنما مولانا فضل الرحمٰن کی یہ خواہش تھی کہ حکومت چاہے کسی کی بھی بنے، نواز شریف واپس آئیں یا نہ آئیں، انہیں غیر ظاہری طور پر حکومت سازی کی بند بانٹ میں حصہ ملنا چاہیے۔ چاہے اپوزیشن لیڈری ہی کیوں نہ ہوں۔

ان تمام جماعتوں کی ان خواہشات کے مدمقابل جنرل پرویز مشرف یہ چاہتے ہیں کہ انہیں اگلے پانچ سال کیلئے صدر منتخب کیا جائے اور وہ وردی بھی نہ اتاریں۔ جبکہ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کا مطالبہ یہی تھا کہ صدر کو وردی اتار دینی چاہیے۔

یہ ان سیاسی جماعتوں کے قائدین کے مطالبات اور خواہشات تھیں۔ ہر کسی کو اپنا اپنا مقصد عزیز تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ صدر پرویز مشرف نے سب کے مطالبات تسلیم کئے۔ انہوں نے بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کو پاکستان آنے اور انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دی لیکن ترپ کے ایسے پتے اپنے پاس رکھے جن سے ان دونوں بڑی سیاسی شخصیات کو نیچا دکھایا جاسکے اور انہیں اپنی حمایت پر مجبور کیا جاسکا۔ یہ تمام ''ہوم ورک'' مسلم لیگ (ق) کی حکومت کی تحلیل تک مکمل ہو چکا تھا۔ اس ''ہوم ورک'' کے بعد پرویز مشرف کی جانب سے نگران حکومت کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ نگران حکومت میں شامل ہونے والے اکثر افراد کا عملی سیاست سے کوئی ایسا تعلق نہیں تھا کہ انہیں سیاسی شخصیات قرار دیا جاسکتا تاہم سب لوگ صدر پرویز مشرف کے قریبی لوگ تھے۔

نگران حکومت میں کچھ نام تو ایسے ہیں جو پہلے بھی صدر پرویز مشرف کے ساتھ وفاقی وزیر کی حیثیت سے کام کر چکے تھے جبکہ کچھ نئے افراد کابینہ میں شامل کئے گئے۔ 24 رکنی کابینہ میں صرف ایک خاتون وزیر شامل تھیں جن کا نام بیرسٹر شاہدہ جمیل تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے وزراء میں نثار اے میمن، ڈاکٹر سلیمان شاہ، بیرسٹر حبیب الرحمٰن، بیرسٹر محمد علی سیف، شہزادہ عالم، پرنس عیسی خان، انعام الحق، سلیم عباس جیلانی، سید افضال حیدر، سکندر جوگیزئی، ڈاکٹر شمس لاکھا، سلمان تاثیر، نثار کھسن، راجہ تری دیو، عباس سرفراز اور انصار برنی شامل ہیں۔

نگران وزیراعظم میاں محمد سومرو اگرچہ سیاسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں لیکن خود ان کا سیاست سے زیادہ تعلق نہیں رہا بلکہ ان کی عملی زندگی کا زیادہ عرصہ مالیاتی اداروں میں اعلی عہدوں پر فائز رہ کر خدمات سرانجام دیتے ہوئے گزرا ہے۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے اقتدار میں آنے کے بعد 2000ء میں محمد میاں سومرو کو سندھ کا گورنر تعینات کیا تھا جس کے بعد ان کی سیاسی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ 2002ء میں انہوں نے گورنر سندھ کے عہدے سے استعفیٰ دے کر سینٹ کے انتخابات میں حصہ لیا۔ سینیٹر منتخب ہونے کے بعد صدر جنرل پرویز مشرف کی منشاء کے مطابق وہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چیئرمین سینٹ منتخب ہوئے، چونکہ میاں محمد سومرو کو پاکستان کی سیاست اور جوڑ توڑ کا تجربہ یا گہری واقفیت نہیں تھی، اس لئے صدر جنرل پرویز مشرف کو ایسے شخص کی ضرورت تھی جو ان کی ملک میں غیر موجودگی میں صدر پاکستان کی ذمہ داریاں ادا کرے تو خود ان کو کوئی پریشانی یا خطرہ نہ ہو۔ پاکستان میں صدر مملکت کے غیر ملکی دوروں کے دوران چونکہ چیئرمین سینٹ قائم مقام صدر ہوتا ہے اس لحاظ سے بھی محمد میاں سومرو صدر جنرل پرویز مشرف کیلئے کئی لحاظ سے قابل قبول اور پسندیدہ تھے۔ صدر جنرل پرویز مشرف کو سندھ سے تعلق رکھنے والی محترمہ بے نظیر بھٹو کی سیاسی بصیرت اور جاری جدوجہد نے حیران ہی نہیں پریشان بھی کر رکھا تھا، اسی لئے انہوں نے سندھ کے عوام کے اندر اپنی پوزیشن بہتر بنانے کیلئے محمد میاں سومرو کو نگران وزیر اعظم بنا کر آئندہ الیکشن میں اپنی ساکھ بہتر بنانے کی منصوبہ بندی کی تھی۔ یہ صدر مشرف کی سوچ تھی۔

نگران حکومت میں شامل وزراء کی اکثریت بھی ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو جنرل پرویز مشرف کے پسندیدہ لوگوں میں شامل تھے۔ ان افراد میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جنہیں چوہدری برادران کی تائید و حمایت کے ساتھ نگران وزیر بنایا گیا۔ اس نگران سیٹ اپ کیلئے 24 رکنی کابینہ کی تشکیل ملک و قوم کی ضرورت نہیں تھی اور گڈ گورننس کے نعرے لگانے والی حکومت بالخصوص صدر جنرل پرویز مشرف کو چاہیے تھا کہ وہ مختصر کابینہ تشکیل دیتے تاہم انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ عوامی حلقوں میں ان نگران وزراء پر تنقید کی گئی اور برملا کہا گیا کہ انصار برنی کو نگران وزیر کیوں بنایا گیا؟ اگر ان کی انسانی حقوق کی خدمات کا حوالہ انہیں اس عہدے کے قابل بناتا تھا تو اس لحاظ سے عبدالستار ایدھی کا نام زیادہ معتبر اور حقدار دکھائی دیتا ہے۔ نثار میمن اور عباس سرفراز پہلے ہی صدر جنرل پرویز مشرف کی خواہش کے مطابق وزیر رہ چکے تھے۔ یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ پرویز مشرف نے اپنی پسند اور قریبی دوستوں کی خواہش کے عین مطابق نگران حکومت اس لئے تشکیل دی تھی کہ الیکشن کے نتائج ان کی پسند کے مطابق حاصل ہو سکیں۔

اس نگران حکومت کا ایجنڈا بھی یہی تھا کہ انتخابات میں پیپلز پارٹی کو پہلے، مسلم لیگ (ق) کو دوسرے نمبر پر رکھا جائے اور مسلم لیگ (نواز) کو انتہائی کم نشستیں دی جائیں۔ اس طرح پیپلز پارٹی مرکز میں مسلم لیگ (ق) کے ساتھ مل کر حکومت بنا لے۔ سب تیاریاں مکمل تھیں لیکن

27 دسمبر 2007ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا۔ ملک بھر میں ہنگامے شروع ہو گئے اور عوامی نفرت کا سیلاب سابقہ حکمران جماعت مسلم لیگ (ق) اور صدر مشرف کی جانب مڑ گیا۔ ان حالات میں منصوبہ سازوں کو اپنا پلان فیل ہوتا ہوا نظر آیا۔ پولنگ شروع ہونے سے پہلے 20 نومبر 2007ء سے جاری انتخابی مہم کے دوران 200 کے لگ بھگ افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہو چکے تھے۔ اس سے قبل کسی بھی انتخابی مہم کے دوران اس پیمانے پر خونریزی نہیں دیکھی گئی۔

بینظیر بھٹو کے قتل سے پہلے جاری انتخابی مہم بنیادی طور پر ویسی ہی تھی جیسی ہمیشہ دیکھنے میں آتی ہے۔ اس دوران ہونے والے خودکش حملوں سمیت پرتشدد واقعات کا تعلق انتخابات سے کم اور مذہبی انتہا پسندی کے خلاف مشرف حکومت کی پالیسیوں سے زیادہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ 20 نومبر سے 27 دسمبر 2007ء تک انتخابی مہم میں وہی کچھ سننے اور دیکھنے کو ملا جس کی توقع تھی۔ بینظیر بھٹو نے مذہبی انتہا پسندی کے خلاف اپنے عزم کو اپنی مہم کا محور بنایا، نواز شریف نے اپنے ماضی کے حلیف اور حال کے حریف بلکہ سیاسی دشمن چوہدری پرویز الٰہی کو پڑھے لکھے پنجاب کا ان پڑھ وزیر اعلیٰ قرار دیا اور جواباً چوہدری پرویز الٰہی نے میاں نواز شریف کو ایک ایسا سیاسی بھگوڑا کہا جس کا اپنا کوئی ایجنڈا نہیں تھا۔ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے یہ سیاستدان دیکھنے اور سننے والوں کو خالصتاً پاکستانی لگے جو ایک دوسرے پر زہر میں بجھے تیر چلانے کے باوجود پاکستان اور پاکستان کے وفاق کی سیاست کر رہے تھے، لیکن بینظیر بھٹو کے قتل نے اس صورتحال کو راتوں رات یوں بدل ڈالا کہ پنجابی، سندھی اور پشتون تو سیاسی میدان پر چھائے نظر آئے لیکن پاکستانی اس منظر سے یکا یک غائب ہو گئے۔ تین دن ملک بھر میں خوب ہنگامہ برپا رہا۔

سندھ میں یہ بات عام کی جانے لگی کہ پنجاب کے فوجی شہر راولپنڈی نے ایک اور سندھی رہنما کی لاش سندھ بھیجی ہے۔ سندھ میں مسلم لیگ (ق) کو قاتل لیگ کا نام دیا گیا اور پنجاب میں یہ افواہیں پھیلائی گئیں کہ سندھ بھر میں غیر سندھیوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے۔ پنجاب کے چوہدری برادران نے صرف غیر سندھیوں کے لیے ریلیف کیمپ لگانے کا اعلان کیا۔ غیر سندھی لڑکیوں کے ساتھ زنا بالجبر کی جھوٹی خبروں کے عکس اخبارات کے اشتہارات میں شائع کیے گئے اور مشرف

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حکومت نے ہمیشہ کی طرح اپنی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے ان فسادات کا سارا ملبہ نامعلوم جرائم پیشہ افراد پر ڈال کر خود کو ان تین روزہ فسادات سے بری الذمہ ٹھہرا لیا۔

بے نظیر بھٹو کے قتل کے بعد 18 فروری 2008ء کو الیکشن ہوئے اور یہ الیکشن پاکستان کی تاریخ کے شائد ایسے انتخابات تھے جس میں سیاسی جماعتوں نے یہ شور نہیں مچایا کہ انتخابات میں دھاندلی ہوئی ہے۔ اگر چہ ایسے اکا دکا واقعات ضرور ہوئے لیکن مجموعی طور پر انتخابات شفاف اور منصفانہ تھے۔ ان انتخابات کے نتائج ہر عام وخاص کے لئے Shocking تھے اور وجہ یہی تھی کہ ہر کوئی یہی امید کر رہا تھا کہ انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلی ہوگی لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ ایسا کیوں نہ ہو سکا؟ یہ ایسا سوال ہے جو انتخابی نتائج کے بعد اعلیٰ ترین سیاسی اور سفارتی حلقوں میں شدت سے پوچھا جاتا رہا۔

اطلاعات کے مطابق ویسے تو انتظامی مشینری کی طرف سے دھاندلی کے انتظامات مکمل تھے اور من پسند جماعت کو جتوانے کا منصوبہ بھی تیار تھا لیکن پھر اچانک پانسہ پلٹا اور فوج کے اعلیٰ عہدیداروں نے انتظامی مشینری پر یہ واضح کر دیا کہ وہ انتخابات میں کوئی دھاندلی نہیں ہونے دیں گے۔ فوج کے اس سٹینڈ نے اوپر سے نیچے تک سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ فوری طور پر بات اوپر تک پہنچائی گئی اور صدر پرویز مشرف نے فوج کے اعلیٰ عہدیداروں کو بلوا لیا۔ اس موقع پر ایک تاریخی اور دلچسپ مکالمہ ہوا۔ فوج کے اعلیٰ ترین عہدیداروں نے واضح طور پر کہا:

''ماضی میں جو کچھ ہوتا رہا وہ حکومتوں اور اسٹیبلشمنٹ کا گٹھ جوڑ تھا اور جن دنوں انتخابات میں دھاندلی ہوتی تھی اس وقت پاکستان کے ایسے حالات سے دوچار نہ تھا جو آج ہیں۔ پاکستان کے تمام اہم معاملات پر عالمی برادری شک کر رہی ہے، ایسے میں اگر انتخابات صاف ستھرے نہ ہوئے تو اس سے پاکستان کی کریڈیبلٹی متاثر ہوگی جس کے اس وقت ہم متحمل نہیں ہو سکتے''۔ اس لئے ضروری ہے کہ انتخابات منصفانہ اور شفاف ہوں تا کہ عالمی برادری میں پاکستان کی ساکھ بحال ہو سکے۔''

یہ وہ الفاظ تھے جو صدر پاکستان اور اعلیٰ فوجی حکام کے درمیان انتخابات سے قبل ہونے والی ایک ملاقات میں کہے گئے اور انہی الفاظ کی بنیاد پر انتخابات صاف شفاف ہوئے۔ اب شفاف

انتخابات کا کریڈٹ کوئی لے یا نہ لے لیکن اس جرأت مندانہ سٹینڈ سے پاکستان کا بھلا ہو گیا۔

انتخابات میں مسلم لیگ (ق) کی فتح کی یہ سب کارروائیں اس وقت بے سود ثابت ہوئیں جب 18 فروری کو نتائج آنے شروع ہوئے۔ صدر مشرف کی حمایت یافتہ جماعت ہار چکی تھی۔ حتیٰ کہ جماعت کے صدر چوہدری شجاعت حسین بھی اپنی نشست نہیں جیت سکے تھے۔ مرکز اور صوبوں میں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (نواز) کی فتح نے مبصرین کے ساتھ ساتھ صدر پرویز مشرف کو بھی حیران و پریشان کر دیا۔

انتخابات کے نتائج کے بعد صدر پرویز مشرف نے امریکی اخبار وال سٹریٹ جنرل کو انٹرویو دیا۔ اس انٹرویو میں انہوں نے فرمایا۔

''پاکستان میں آزادانہ، منصفانہ، شفاف اور پر امن انتخابات ہوئے ہیں، یہ میرا وعدہ تھا جو میں نے پورا کر دیا ہے۔ آئندہ حکومت مصالحت کی راہ پر چلے گی اور 1990ء کی دہائی میں تصادم پر مبنی سیاست اب دوبارہ نہیں دہرائی جائے گی۔ میں پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ ہر جماعت اور ہر مخلوط حکومت کے ساتھ کام کرنے کیلئے تیار ہوں کیونکہ یہی پاکستان کے مفاد میں ہے، ہمیں مصالحت کی سیاست اور بہتر تعلقات کو ترجیح دینا ہوگی۔ میں اسی مقصد کیلئے کوششیں کروں گا تاہم دوسری جانب سے کیا ہوگا؟ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ نواز شریف کے ساتھ مل کر کام کرنے سے متعلق سوال پر انہوں نے کہا کہ ہم ایک پارلیمانی نظام حکومت چلا رہے ہیں جہاں وزیر اعظم ہی حکومت چلانے کا مجاز ہے، صدر کے پاس وزیر اعظم سے مل کر حکمرانی کرنے کا کوئی مینڈیٹ نہیں ہوتا، صدر کی اپنی ایک پوزیشن ہوتی ہے مگر ان دونوں شخصیات میں تصادم اس وقت ہوتا ہے جب وہ دونوں ایک دوسرے کو ہٹانے کی کوشش کریں۔ میں صرف خواہش ہی ظاہر کر سکتا ہوں کہ ایسی کوئی کوشش نہیں ہوگی۔ مشرف نے کہا کہ بیشتر مسائل عدلیہ کے بحران سے شروع ہوئے مگر سابق چیف جسٹس کے خلاف صدارتی ریفرنس قانون کے عین مطابق تھا۔ سیاسی جماعتوں کی احتجاج میں شمولیت کے باعث وکلاء کی ایجی ٹیشن کو بھی تقویت ملی، ہمیں ایسا نہیں ہونے دینا چاہئے تھا۔ انہیں سپریم کورٹ کے باہر احتجاج کی اجازت نہیں ملنی چاہئے تھی۔ انہوں نے کہا کہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حالیہ انتخابات کے مختلف نتائج کی ایک وجہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے باعث پیدا ہونے والی ہمدردی کی لہر تھی جبکہ بجلی، گیس، گندم اور آٹے کے بحران بھی ان مختلف نتائج کا باعث بنے۔ عوام جوڈیشل ایشو کے بھی مخالف تھے ان تمام باتوں کا منفی اثر پڑا ہے تاہم عوام نے یہ تمام معاملات بڑی حد تک غلط انداز میں سمجھے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت زیادہ سے زیادہ بجلی اور گیس کے حصول کیلئے اقدامات اٹھا رہی ہے لیکن عام آدمی یہ نہیں سمجھ سکا۔ ممکن ہے کہ حکومت عوام کو یہ سمجھانے میں ناکام رہی ہو کہ توانائی اور ٹریفک کے مسائل معاشی ترقی کا نتیجہ ہیں۔ اس سوال پر کہ کیا حکومت سازی کیلئے نواز شریف یا آصف زرداری سے رابطہ کریں گے تو انہوں نے کہا کہ حکومت سازی میں ان کا کوئی کردار نہیں ہے اور وہ کسی سیاسی جماعت کے سربراہ بھی نہیں ہیں۔ سیاسی جماعتیں خود مل جل کر مخلوط حکومت قائم کریں تاہم اگر کوئی سمجھتا ہے کہ میں پاکستان کیلئے بہتر انداز میں کوئی مدد فراہم کر سکتا ہوں تو میں ایسا ضرور کرنا چاہوں گا۔ مشرف نے یہ بھی کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ عوام مجھے ایک ایسی سیاسی شخصیت کے طور پر یاد رکھیں جس نے ملک اور قوم کی پوری ایمانداری اور خلوص کے ساتھ خدمت کی۔

انتخابات کے بعد پیپلز پارٹی، مسلم لیگ نواز اور اے این پی کے ساتھ مل کر حکومت بنانے کی پوزیشن میں آ گئی۔ وفاق، بلوچستان اور سندھ میں پیپلز پارٹی، پنجاب میں مسلم لیگ نواز اور سرحد مین اے این پی کی حکومتیں وجود میں آئیں۔ نئی حکومت کے قیام کے بعد پیپلز پارٹی اور صدر مشرف کے درمیان ایک خاموش مفاہمت کے تحت معاملات کسی حد تک ٹھیک ڈگر پر چل رہے تھے، جس میں حکومت کو اپنی ایک بڑی اتحادی جماعت مسلم لیگ (ن) کا وفاقی حکومت سے علیحدگی کا دھچکا بھی لگا لیکن وہ پنجاب میں مسلم لیگ نواز کے مخالف گورنر کی تعیناتی کے باوجود معاملات کسی حد تک کنٹرول میں رہے اور یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کراچی میں نئے آئی جی سندھ شعیب سڈل کو تعینات کر کے ایم کیو ایم کو قابو میں کیا گیا اور بعد ازاں اپنی شرائط پر سندھ حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو رہا تھا، اچانک کھڑے پانی میں طوفان اس وقت آیا جب پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرپرسن آصف علی زرداری کے بھارتی خبر رساں ایجنسی پی ٹی آئی کے

ساتھ ایک انٹرویو کی تفصیلات سامنے آنے کے بعد ملکی سیاست میں ہلچل پیدا ہوئی اور دنیا بھر کی توجہ کا مرکز پنجاب سے ایک بار پھر دارالحکومت اسلام آباد بن گیا۔ اس انٹرویو میں آصف زرداری نے پہلی دفعہ صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ مشرف اب ماضی کی نشانی بن چکے ہیں اور پاکستانی عوام ان سے نجات چاہتی ہے۔ ان کے بقول پاکستان میں لوگ اب روٹی، کپڑا اور مکان کے بارے میں بات نہیں کرتے بلکہ صدر مشرف کے جانے کی بات کرتے ہیں۔ آصف زرداری نے مزید کہا کہ وردی اتارنے کے باوجود وہ جمہوری صدر نہیں ہیں۔

آصف زرداری نے جس وقت یہ بیان دیا، اس سے دو روز قبل ہی وہ قومی مصالحتی آرڈیننس کے تحت لاہور کی ایک عدالت میں دائر مقدمے سے بری ہوئے تھے جس کے بعد ان پر قائم تمام قانونی اور غیر قانونی مقدمات ختم ہو گئے تھے۔ آصف زرداری کے اس انٹرویو کے بعد ایوان صدر کی جانب سے سخت ردعمل کا اظہار کیا گیا اور صدر مشرف نے واضح طور پر کہا کہ وہ آئینی صدر ہیں اور ہرگز مستعفی نہیں ہوں گے اور اپنی پانچ سالہ معیاد پوری کریں گے۔ پیپلز پارٹی اور اسکی اتحادی جماعت مسلم لیگ نواز نے بھی ایوان صدر کے اس ردعمل کا برا منایا اور نواز شریف کی طرف سے آصف زرداری کو مشرف کے مواخذے کے لئے قائل کرنے کی کوششوں نے زور پکڑ لیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پرویز مشرف کی پریشانیاں

جنرل (ر) پرویز مشرف اپنے دور اقتدار میں سب سے زیادہ پریشان کب ہوئے؟ یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب تلاش کرنا چنداں مشکل نہیں۔ لامحالہ ان کے دور اقتدار میں ایسے بہت سے مواقع آئے ہوں گے جب انہیں بعض پریشانیوں کا احساس ہوا ہوگا۔ پرویز مشرف کو اپنے دور اقتدار کے آغاز سے لے کر 2006ء تک ایسے واقعات تو دیکھنے میں نہیں آئے جب انہیں بہت زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہو اور اگر اس حوالے سے انہیں بعض چھوٹی موٹی پریشانیاں درپیش بھی رہیں تو انہوں نے ان پر قابو پالیا۔ ان کا تذکرہ گزشتہ حصوں میں کئی جگہ آچکا ہے۔ جنرل مشرف کے لئے 2007ء اور 2008ء ایسے سال تھے، جن میں انہیں جو پریشانیاں دیکھنا پڑیں، ان پر وہ قابو نہیں پاسکے۔ ان دو سالوں کے دوران بہت سے مواقع ایسے آئے جب کسی سے نہ ڈرنے والا یہ فوجی جرنیل پریشانیوں کے باعث گھر میں مقید ہو کر رہ گیا۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ جنرل (ر) پرویز مشرف پاکستان کے بلاشرکت غیرحکمران رہے۔ انہیں کوئی روکنے، ٹوکنے اور پوچھنے والا نہیں تھا۔ اسی زعم میں پرویز مشرف نے پہلے 2000ء میں اور بعدازاں 2007ء میں پی سی او کے تحت حلف نہ اٹھانے والے ججوں کو باہر نکال دیا اور پھر مشرف کی مرضی سے بننے والی عدلیہ نے ان کے اقتدار کو سنبھالا دیا اور انہیں آئین بدلنے کا اختیار بھی دے دیا۔

یہ وہ صورتحال تھی جس میں کوئی پریشانی مشرف کے قریب بھی نہیں پھٹک سکی، لیکن پھر

حالات نے پلٹا کھایا اور ان کی پریشانیوں کے دور کا آغاز ہوگیا۔

مشرف نے دو فیصلے ایسے کیے جنہوں نے ان کے اقتدار کے ایام کم کر کے انہیں پریشان کر دیا اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب انہی کے لگائے ہوئے جرنیل نے انہیں پریشان کیا۔

مشرف کی پریشانیوں کا آغاز 9 مارچ 2007ء کو ہوا جب انہوں نے طاقت کے غرور میں اور گھمنڈ سے ملک کی عدلیہ کے سربراہ افتخار محمد چوہدری کو راولپنڈی کے کیمپ آفس میں طلب کیا اور فوجی یونیفارم میں انہیں حکم دیا کہ وہ عہدہ چھوڑ دیں مگر چیف جسٹس کی ایک ''ناں'' نے ملک کی تاریخ ہی بدل کر رکھ دی۔ مشرف بھی نہ سننے کے عادی نہیں تھے۔ انہوں نے افتخار محمد چوہدری کو معطل کر کے ان کے خلاف ریفرنس سپریم جوڈیشل کونسل میں بھیج دیا۔ مشرف اس وقت نہیں جانتے تھے کہ وہ افتخار محمد چوہدری کو ہٹانے کا حکم نہیں دے رہے بلکہ اپنی صدارت کو ختم کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ 9 مارچ 2007ء کا یہ دن پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا جب عدلیہ کے سربراہ نے ایک فوجی حاکم کا حکم ماننے سے انکار کیا۔ درحقیقت اسی دن پرویز مشرف کے اقتدار کا سورج غروب ہونا شروع ہوگیا تھا۔ ان کا دوسرا فیصلہ 3 نومبر 2007ء کو ایمرجنسی لگانے کا تھا جس کی بین الاقوامی طور پر بھی اتنی مذمت ہوئی جس نے واقعی انہیں پریشان کر دیا۔

پرویز مشرف کو دراصل 9 مارچ 2007ء اور 3 نومبر 2007ء کے فیصلے ہی لے ڈوبے۔

جنرل پرویز مشرف کو سب سے زیادہ پریشانی 29 مئی 2008ء کو اس وقت پھر ہوئی جب فوج کے مایہ ناز ٹرپل ون بریگیڈ کے کمانڈر اور ایوان صدر کی سکیورٹی پر مامور دستوں کو تبدیل کر دیا گیا۔ اس وقت یہ افواہیں پھیلیں کہ صدر مشرف رخصت ہو رہے ہیں۔ ٹرپل ون بریگیڈ کے کمانڈر اور ایوان صدر کی سکیورٹی پر مامور افراد کی تبدیلی کے فوری بعد فوج کے سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی نے آرمی ہاؤس راولپنڈی میں صدر پرویز مشرف سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات کئی گھنٹے تک جاری رہی جس میں کئی اہم امور زیر بحث آئے۔ کہا جاتا ہے ان امور میں سے ایک اہم ایشو یہ بھی تھا کہ صدر پرویز مشرف کو 58 ٹو بی کے استعمال سے روکا جائے جس کے نتیجے میں پرویز مشرف اپنے خلاف مواخذے کی کارروائی سے بچنے کے لئے اسمبلیاں توڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

فوج کے محکمہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) نے اگرچہ صدر پرویز مشرف اور جنرل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اشفاق پرویز کیانی کے درمیان 28 مئی 2008 کو ہونے والی ملاقات کو معمول کی ملاقات قرار دیا اور خاص طور پر ٹرپل ون بریگیڈ کے کمانڈر کی تقرری کے حوالہ سے آئی ایس پی آر نے یہ موقف اپنایا کہ متعلقہ تقرری ان بہت سے افسران کی تقرریوں کے حکمنامہ کا حصہ ہے جس کے تحت، یہ اقدام 478 افسران (بریگیڈیئرز/کرنلز) کی ریگولر پوسٹنگ کی مدت مکمل ہونے پر جنرل ہیڈ کوارٹرز کی ملٹری سیکرٹری برانچ کی جانب سے ایک مہینہ قبل ہو چکا تھا۔ ترجمان کے مطابق اپنی کمانڈ کی مدت مکمل ہونے پر بریگیڈیئر عاصم باجوہ پیشہ وارانہ کورس پر جا رہے ہیں اور اس سلسلے میں کوئی اچانک تبدیلی عمل میں نہیں آئی۔ آئی ایس پی آر نے صدر مملکت کی حفاظت پر مامور کمانڈوز کی تبدیلی کی خبر کی بھی تردید کی اور کہا کہ کسی ایک کمانڈو کو بھی اس کی موجودہ ڈیوٹی سے نہیں ہٹایا گیا۔ اس طرح صدر مملکت کی گارڈ ڈیوٹی پر مامور آرمی یونٹ کی ریلیف اور روٹیشن معمول کا کام ہے جس کی کم از کم چھ ماہ قبل منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ اس طرح یہ تبدیلیاں معمول کا حصہ ہیں۔

آئی ایس پی آر کے ان تردیدی بیانات کو اہمیت اس لئے نہیں دی جاسکتی کیونکہ جس موقع پر یہ تبدیلیاں ہوئیں، اس وقت یہ اطلاعات آرہی تھیں کہ صدر مشرف اپنے 58 ٹو بی کے اختیارات کو استعمال کر کے اسمبلیاں توڑنا چاہتے تھے اور ایوان صدر کی سکیورٹی اور ان کے ذاتی محافظوں کو تبدیل کر کے فوج نے انہیں یہ پیغام دیا کہ وہ کوئی ایسا اقدام نہ کریں۔

ملک بھر میں یہ اطلاعات گردش تو کر رہی تھیں لیکن صدر مشرف منظر سے غائب تھے۔ اس وجہ سے ان اطلاعات کو اور تقویت ملی۔ بالآخر چوبیس گھنٹے بعد صدر پرویز مشرف کا بیان سامنے آیا ۔ پنجاب کے سبکدوش گورنر خالد مقبول کے اعزاز میں الوداعی عشائیے میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ بعض عناصر میرے اور فوج کے درمیان اختلافات کا تاثر دینا چاہتے ہیں حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، میرے اور فوج کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، آرمی چیف کی میرے ساتھ ملاقات معمول کی بات ہے اس سے پہلے بھی ہم 6 بار مل چکے ہیں۔ صدر مشرف نے اپنی سبکدوشی کی افواہوں کو مسترد کر دیا اور کہا کہ ایسی باتوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ان کا مقصد بے چینی پیدا کرنا اور یہ تاثر قائم کرنا ہے کہ میرے اور فوج کے درمیان اختلافات ہیں جو کہ غلط بات ہے۔ بعض عناصر نے ایسی افواہیں پھیلا کر پاکستان کے مفادات کو پس پشت ڈال دیا

ہے، ان کی کارروائیوں سے ملکی معیشت کو اربوں ڈالر کا نقصان ہوا ہے۔

صدر مشرف جو فرما رہے تھے، ضروری نہیں کہ وہ درست ہو لیکن پھر سوال یہ تھا کہ وہ آخر کس بات کی تردید کر رہے تھے؟ جب ان کے اور آرمی چیف کے مابین کسی قسم کا اختلافات نہیں تو پھر ایسے وقت میں جبکہ پوری قوم کی طرف سے صدر مشرف کے استعفیٰ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ٹرپل ون بریگیڈ اور صدر کے محافظوں کی تبدیلی کس طرف اشارہ کر رہی تھی؟ کہا یہی جاتا ہے کہ صدر مشرف اپنے آپ کو بچانے کے لئے اسمبلیاں توڑنے جیسا انتہائی قدم اٹھانے کے بارے میں ایسا کوئی فیصلہ کر چکے تھے تو کہا جا سکتا ہے کہ جنرل کیانی ان کے اس فیصلے کی راہ میں ڈٹ گئے اور انہوں نے صدر مشرف کو ایسا نہ کرنے کو کہا۔ یہ وہ موقع تھا جب جنرل مشرف سب سے زیادہ پریشان ہوئے۔ اپنے محافظوں کی تبدیلی سے وہ شدید ڈپریشن کا شکار ہو گئے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

یہ کوئی پہلا موقع نہیں کہ جنرل کیانی صدر مشرف کے ارادوں کی راہ میں حائل ہوئے ہوں۔ اس سے پہلے بھی کئی ایسے مواقع آئے جب صدر پرویز مشرف نے جو سوچا، وہ جنرل کیانی نے نہیں ہونے دیا۔ 18 فروری 2008ء کے الیکشن کی مثال سامنے ہے جب صدر مشرف اور ان کے دھاندلی کے تمام تر منصوبوں کے باوجود جنرل کیانی نے اپنی فارمیشنز کو حکم دیا کہ دھاندلی نہیں ہونی چاہیے، اور پھر ایسا ہی ہوا۔ اس موقع پر بھی پرویز مشرف کو پریشانی ضرور ہوئی ہوگی۔

سرکاری و نیم سرکاری اداروں سے حاضر سروس فوجیوں کی واپسی، فوج کو سیاست سے دور رکھنے کا حکم، انٹیلی جنس اداروں کو اپنی حدود و قیود میں کام کرنے کا پابند بنانا اور صدر کو اسمبلیاں توڑنے کے اقدام سے باز رکھنا جنرل کیانی کے ایسے اقدامات ہیں جن کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔ لیکن پرویز مشرف نے ان اقدامات کو پسند نہیں کیا تھا۔ وہ پریشانی کے عالم میں یہ سوچنے پر مجبور تھے کہ جنرل کیانی جنہیں خود انہوں نے کئی جرنیلوں پر فوقیت دے کر فوج کا سربراہ بنایا، ان کی منشاء و مرضی کے خلاف کیسے چل سکتا ہے؟ جنرل مشرف شائد یہ بات بھول گئے تھے کہ ایک محب وطن کمانڈر کو شخصیات سے زیادہ ملک اور اس کے اداروں کا مفاد عزیز ہوتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ وہ واقعہ ہے جسے جنرل مشرف نے سب سے زیادہ پریشان اور رنجیدہ کیا۔ جنرل کیانی کے اقدامات کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ سمجھ جاتے اور سنبھل کر چلتے تا کہ کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوتا لیکن جنرل مشرف نہ سمجھے۔ ججوں کی برطرفی، ایمرجنسی کے نفاذ، لال مسجد، بلوچستان، دہشت گردی اور جمہوریت کے بارے میں ان کے جو خیالات جوں کے توں ہیں۔

بی بی سی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

اگر صدر پرویز کی نو سالہ مقتدر زندگی میں کوئی کمزور لمحہ آیا بھی تھا تو وہ اٹھارہ فروری کے بعد کے پندرہ دن میں آیا ہوگا جب انہوں نے نیم گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور ایک ساعت کے لئے انہوں نے شاید یہ بھی محسوس کیا تھا کہ اس سیاسی تنہائی سے بہتر ہے کہ وہ سبکدوش ہو جائیں لیکن امریکی ایلچیوں کی بھرمار نے انہیں یقین دلایا کہ مایوسی کفر ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چنانچہ صدر پرویز رفتہ رفتہ گوشہ نشینی سے باہر آ گئے۔ تاہم انہیں جھٹکے لگنے کا عمل شروع ہو چکا تھا۔

حمیدی

مواخذے کا راستہ کیسے ہموار ہوا؟

6 اگست 2008ء کا دن صدر پرویز مشرف کے لئے سخت تناؤ کا دن تھا۔ ان کی پریشانی بڑھ چکی تھی۔ اس روز پرویز مشرف نے بیجنگ اولمپکس کی افتتاحی تقریب میں شرکت کے لئے چین جانا تھا۔ ان کا پروگرام پہلے سے طے شدہ تھا۔ اچانک ان کی طرف سے چین جانے کا پروگرام کینسل کر دیا گیا اور اس سلسلے میں دفتر خارجہ اطلاع کر دی گئی۔ جلد ہی یہ اطلاع پورے ملک میں پھیل گئی۔ وزیراعظم ہاؤس سے ایوان صدر فون کیا گیا اور پوچھا گیا کہ کیا یہ اطلاع درست ہے؟ ایوان صدر کی تصدیق نے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو بھی حیران کر دیا کیونکہ بیجنگ اولمپکس کی افتتاحی تقریب میں جانے کی خواہش کا اظہار پرویز مشرف نے خود کیا تھا۔ چین کی حکومت نے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو اس افتتاحی تقریب میں شرکت کی دعوت دی تھی لیکن صدر مشرف کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ وہ خود اس تقریب میں شرکت کے لئے چین جانا چاہتے ہیں تو وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے ان کی یہ بات تسلیم کر لی۔

صدر پرویز مشرف کے چین جانے اور پھر اچانک دورہ منسوخ کرنے کی دو وجوہات تھیں۔ مشرف چین اس لئے جانا چاہتے تھے کیونکہ انہیں اطلاع ملی تھی کہ امریکی صدر جارج بش کو بھی چین کی حکومت نے اس تقریب میں شرکت کی دعوی دی ہے اور وہ بھی وہاں آئیں گے۔ صدر مشرف کا پروگرام یہ تھا کہ وہاں ان کی امریکی صدر سے بھی ملاقات ہو جائے گی اور وہ ان سے پاکستان کی صورتحال اور اپنے خلاف مواخذے کی تحریک پر بھی تبادلہ خیال کر لیں گے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پرویز مشرف کی طرف سے چین کا دورہ اچانک منسوخ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اطلاع تھی کہ اس روز نواز شریف اور آصف زرداری کی ملاقات میں ان کے مواخذے کے پروگرام پر اتفاق کر لیا گیا تھا۔ یہی وہ اطلاع تھی جس نے پرویز مشرف کو پریشان کیا اور انہوں نے اسی پریشانی کے عالم میں کہ کہیں ان کے خلاف ان کی غیر موجودگی میں ہی مواخذے کی تحریک نہ پیش کر دی جائے، دورہ چین منسوخ کر دیا اور ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

پرویز مشرف کے دورہ چین کی منسوخی کی اطلاع جیسے ہی وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو ملی تو انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور کہا:

''چین ہمارا دوست برادر ملک ہے۔ اس کی دعوت پر ہر صورت میں پاکستان کی نمائندگی ہو گی۔ صدر مشرف چین نہیں جا رہے تو میں خود جاؤں گا۔''

یوسف رضا گیلانی کی طرف سے اس اظہار کے بعد حکام نے وزیراعظم کے خصوصی طیارے کو سٹینڈ بائی کرنے کی ہدایت کر دی۔ تاہم اس وقت صدر مشرف اپنے قریبی ساتھیوں سے مشاورت کر چکے تھے۔ چوہدری برادران اور قانونی ماہر شریف الدین پیرزادہ نے بھی ان سے ملاقات کی تھی اور انہوں نے بھی مشرف کو یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ چین کا دورہ منسوخ نہ کریں۔ یہ بات صدر مشرف کی سمجھ میں آگئی اور انہوں نے دوبارہ چین جانے کا پیغام دفتر خارجہ اور وزیراعظم ہاؤس بھجوا دیا۔ دفتر خارجہ اور وزیراعظم ہاؤس کے حکام بھی دوبارہ ان کے چین جانے پر حیران تھے۔ دفتر خارجہ نے پھر حکام کو سٹینڈ بائی کر دیا لیکن مشرف نے جانے سے پھر انکار کر دیا اور ان کی جگہ آخری لمحات میں یوسف رضا گیلانی کو ہی جانا پڑا جبکہ مشرف نے مواخذے سے نمٹنے کے لئے اپنے قانونی ماہرین اور دوستوں سے مشورے جاری رکھے۔

مواخذے کی تحریک کے اعلان کے بعد جنرل مشرف کی فیملی بھی پریشانی کا شکار ہوئی۔ پرویز مشرف کو ان کی والدہ زرین، اہلیہ، صہبا اور دونوں بچوں نے مشورہ دیا کہ وہ استعفیٰ دے دیں اور باقی کی زندگی گھر والوں کے ساتھ پرسکون حالات میں گزاریں۔ پرویز مشرف بضد تھے کہ وہ مواخذے کا مقابلہ کریں گے اور کسی صورت پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ زرین بیگم نے والدہ کی حیثیت سے پرویز مشرف پر دباؤ ڈالنے کا سلسلہ جاری رکھا، تاہم بار بار کی کوششوں کے باوجود مشرف اپنے

گھر والوں کے خیالات پر کان دھرنے کو تیار نہیں ہوئے۔ بلال مشرف نے بھی اپنے والد کو سمجھایا کہ کہ مانا، شفاف انتخابات آپ کا اہم کارنامہ ہیں لیکن عوام نے الیکشن میں سابقہ حکومت کو مسترد کر دیا ہے اور اب ہمیں اس بات کو تسلیم کر لینا چاہیے لیکن پرویز مشرف اس پر راضی نہ ہوئے۔

مواخذے کی اطلاعات کے بعد صدر پرویز مشرف کا جو موقف سامنے آیا وہ نیا نہیں تھا۔ ان خیالات کا اظہار وہ اکثر و بیشتر کرتے رہتے تھے۔ صدارتی کیمپ آفس راولپنڈی میں مسلم لیگ (ق) کے رہنماؤں چوہدری شجاعت حسین، چوہدری پرویز الٰہی اور حامد ناصر چٹھہ سے ملاقات میں ان کا کہنا تھا کہ وہ خود کو دیوار سے لگانے کی کسی کوشش کو کامیاب ہونے نہیں دیں گے، مواخذے کی تحریک کا سامنا کریں گے اور پارلیمنٹ میں جا کر الزامات کا جواب دیں گے۔ صدر مشرف کے قریبی ذرائع کے مطابق اس ملاقات میں چوہدری برادران نے صدر پرویز کو تجویز دی کہ وہ پارلیمنٹ میں پیش ہو کر الزامات کا دفاع کریں اور عوام کے سامنے این آر او سمیت پیپلز پارٹی کو دی جانے والی تمام مراعات سے پردہ اٹھائیں۔

5 جون 2008ء کو ایوان صدر میں سینئر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے پرویز مشرف نے کہا:
موجودہ ملکی صورتحال کے پیش نظر وہ مستعفی نہیں ہوں گے۔ یہ وقت مزاحمت کا نہیں مفاہمت کا ہے۔ اگر آئین میں ترمیم کر کے اُن کے اختیارات میں کمی کی گئی تو وہ بیکار نہیں بیٹھیں گے۔ اُن کا کہنا تھا کہ وہ اس کے بارے میں سوچیں گے کہ وہ اپنا آئینی کردار کب تک ادا کریں گے۔ پارلیمنٹ ملک کا سپریم ادارہ ہے اور پارلیمنٹ اُن کے بارے میں جو بھی فیصلہ کرے گی وہ اُسے قبول کریں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ موجودہ حکومتی معاملات میں مداخلت نہیں کر رہے۔ صدر کے مواخذے کے بارے میں آئین میں طریقہ کار موجود ہے۔ انہوں نے اس تاثر کو غلط قرار دیا کہ ایوان صدر میں سازشیں ہو رہی ہیں۔ مشرف نے کہا:

''میں غیر متوازن آدمی نہیں ہوں کہ اٹھاون ٹو بی کا استعمال کر کے ملک میں ایک اور بحران پیدا کر دوں۔ میں غیر مستحکم پاکستان کی صدارت قبول نہیں کر سکتا۔ تاہم موجودہ حالات سے مجھے مایوسی ہوئی ہے لیکن حالات جلد بہتر ہو جائیں گے۔ میرا کا جینا مرنا پاکستان میں ہے اور میں کہیں نہیں جا رہا۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تین نومبر کو ملک میں لگائی جانے والی ایمرجنسی اور اعلیٰ عدالتوں کے ساتھ ججوں کو برطرف کرنے کے بارے میں سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر تین نومبر کو اقدامات نہ کیے جاتے تو ملک میں سیاسی عدم استحکام پیدا ہو جاتا۔

4 جولائی 2008ء کو کراچی میں بزنس کمیونٹی سے خطاب کرتے ہوئے پرویز مشرف نے کہا کہ ملک اس وقت شدید بحران سے گزر رہا ہے اور یہ تین چیزوں کی وجہ سے ہے، دہشت گردی اور شدت پسندی، معاشی ابتری، اور سیاسی عدم استحکام۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت ہر پاکستانی کی ذمہ داری ہے کہ پاکستان کو بچائے۔ انہوں نے افواہوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ 'میرے بارے میں میرے چند منافق دوست فوجی اور سویلین افواہیں اڑاتے ہیں کہ میں باہر امریکہ یا ترکی جا رہا ہوں۔ یہ میرے چمچے تھے اور میں چاہتا تو کف گیر بھی ہو سکتے تھے، میرا کہیں مکان نہیں ہے اور میں پاکستان میں ہی رہوں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ فوج مجھ کو پکڑ لے گی، فوج میرے ساتھ ایسا کبھی نہیں کرے گی، میں نے فوج کے ساتھ دن گذارے ہیں اور ان کے ساتھ موت کو قریب سے دیکھا ہے اور اگر ایسا دن آیا تو میں زندہ نہیں رہوں گا۔ میں دانستہ طور پر گزشتہ چار ماہ سے خاموش تھا تاہم میں خوفزدہ نہیں ہوں کیونکہ میں نے ڈرنا یا گھبرانا نہیں سیکھا اور نہ ہی مجھے سکھایا گیا۔

پرویز مشرف کے یہ بیان پیپلز پارٹی کی حکومت کے لئے شدید پریشانی کا باعث بن رہے تھے۔ پیپلز پارٹی کی لیڈر شپ کے بعض ارکان چاہتے تھے کہ صدر مشرف کو نہ چھیڑا جائے۔ بعض ارکان کا خیال تھا کہ پرویز مشرف کو گھر بھیجنا ضروری ہے کیونکہ وہ کسی بھی وقت اسمبلی توڑ سکتے ہیں اور پیپلز پارٹی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نواز لیگ کے ساتھ اتحاد کو بچائے۔ کہا جاتا ہے اس سلسلے میں وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے اہم کردار ادا کیا۔

مواخذے کی تیاریاں..........

مئی 2008ء کے وسط تک پیپلز پارٹی کے بعض راہنماؤں کا خیال تھا کہ مشرف اب بھی مغرب کے "پسندیدہ" ہیں اور پیپلز پارٹی ان کی بطور صدر موجودگی سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ یہ رائے پارٹی کے ان لیڈروں کی تھی جو فیصلہ سازی کے عمل میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ لیڈرز صدر

پرویز مشرف کے ساتھ کمپرومائز کے حق میں بھی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پارٹی کے چیئرمین آصف علی زرداری بھی بے پناہ دباؤ کے باوجود صدر کے حوالے سے کوئی سخت بیان نہیں دے رہے تھے۔
لیکن پھر منظر بدل گیا۔ پیپلز پارٹی کی لیڈر شپ کی رائے تبدیل ہو گئی اور اچانک ایک بھارتی اخبار کے ساتھ انٹرویو میں نجانے آصف علی زرداری کو کیا ہوا کہ ان کے لب ولہجہ میں سختی آ گئی اور انہوں نے صدر مشرف کے خلاف سخت ترین بیان دے دیا۔ اس بیان میں انہوں نے پہلی بار صدر مشرف کے مواخذے کی بات کہہ ڈالی۔

آصف زرداری کے رویے میں یہ تبدیلی کیوں آئی؟ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگرچہ اس سے پہلے پیپلز پارٹی کی قیادت نے صدر پرویز کے حوالے سے کوئی سخت پالیسی اختیار نہیں کی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ پیپلز پارٹی سمجھتی تھی کہ صدر مشرف کو امریکہ اور فوج کی حمایت حاصل ہے لیکن امریکی سفیر کی آصف علی زرداری سے کئی ملاقاتوں کے بعد صورتحال یکسر تبدیل ہو گئی۔ آصف زرداری کو پتہ چلا کہ نہ تو امریکہ پرویز مشرف کے ساتھ ہے اور نہ ہی فوج ان کی حمایت پر راضی ہے۔ اس حوالے سے فوجی قیادت اور صدر پرویز مشرف میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ان اختلافات کی وجہ صدر مشرف کے نئی حکومت کے بارے میں عزائم ہیں جنہیں فوج پسند نہیں کرتی۔ یہ اختلافات بڑھتے جا رہے ہیں۔ انہی اختلافات سے آصف علی زرداری نے فائدہ اٹھایا اور انہوں نے اپنی توپوں کا رخ صدر پرویز مشرف کی طرف موڑ لیا۔

اگرچہ ایوان صدر نے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی کے ساتھ صدر کے اختلافات کی ہمیشہ تردید کی لیکن ان اختلافات کی خبر دینے والے حلقے اپنے دعوے پر مصر رہے اور ان کا کہنا تھا کہ ماضی میں ہمیشہ ایوان صدر نے فوج کی طاقت کے ساتھ منتخب حکومتوں کو چلتا کیا لیکن اس بار یہ ترتیب اس سے الٹ ہے۔

آصف زرداری نے اس دوران پرویز مشرف تک یہ بات پہنچائی کہ وہ از خود استعفیٰ دے دیں تو انہیں محفوظ راستہ دیا جائے گا تاہم مشرف کا اس حوالے سے کہنا تھا کہ وہ استعفیٰ نہیں دیں گے۔ مشرف نے یہ بیان جون 2008ء کے تیسرے ہفتہ میں امریکی صدر بش کے ٹیلی فون کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بعد دیا تھا جس میں امریکی صدر نے انہیں اپنی حمایت کا یقین دلایا تھا۔ امریکی صدر بش نے ان سے 25 منٹ تک ٹیلی فون پر بات کی تھی۔ بش کی 25 منٹ طویل ٹیلی فونک بات چیت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صدر بش بھی فارغ ہی تھے کیونکہ ان کے دور صدارت کی معیاد بھی ختم ہونے والی ہے۔ اس کے بعد امریکی صدر بش کے مشیر اسٹیفن ہیڈلے نے صدر پرویز مشرف کے معتمد خاص طارق عزیز سے بھی ٹیلیفون پر گفتگو کی۔ امریکی صدر کے مشیر نے طارق عزیز کو یقین دہانی کرائی کہ امریکہ کل بھی صدر پرویز مشرف کے ساتھ تھا اور آئندہ بھی صدر مشرف کے ساتھ ہوگا۔ اسٹیفن ہیڈلے کا کہنا تھا کہ امریکہ کسی بھی ایسے اقدام اور مہم کی مخالفت کرے گا جس سے خطے میں عدم استحکام پیدا ہو۔

اس امریکی یقین دہانی نے صدر مشرف کو شیر بنا دیا اور انہوں نے دفاعی پالیسی کی بجائے جارحانہ انداز اختیار کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب انہوں نے اپنے اختیارات کے استعمال کا فیصلہ کیا لیکن وردی کے بغیر اپنے اختیارات استعمال کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ پرویز مشرف کو پہلے ہی فوجی حکام نے یہ بات بتا دی تھی کہ وہ اُس انداز میں نہ سوچیں جس سے ملک میں نازک سیاسی صورتحال مزید پیچیدہ ہو جائے۔ وہ آئین کی دفعات جیسے 58-ٹو بی کے استعمال کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔ اس صورتحال نے صدر مشرف کو کافی پریشان کر دیا اور انہیں مزید پریشانی اس وقت ہوئی جب جنرل کیانی نے ان سے ملاقات کی۔ بعض غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق جنرل کیانی اور صدر مشرف کی ملاقات کے بعد یہ اطلاعات سامنے آئیں کہ صدر پرویز مشرف نے اپنا عہدہ چھوڑنے کیلئے ذہن بنا لیا ہے اور اس سلسلے میں اعلان کسی بھی وقت ہوسکتا ہے۔ تاہم ایسا نہ ہوا اور پاکستان کے دورے پر آنے والے امریکی نائب وزیر خارجہ رچرڈ باؤچر نے معاملات سیٹل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

صدر مشرف کے استعفیٰ اور مواخذے کے حوالے سے اس وقت سیاسی قیادت میں دو رائے پائی جاتی تھیں۔ صدر پرویز مشرف کے مواخذہ کی تجویز کی چودھری شجاعت حسین پیر پگاڑا اور الطاف حسین مخالفت کر رہے ہیں جبکہ آصف علی زرداری وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اور اسفندیار

ولی بھی بہت زیادہ پرجوش نہیں تھے۔ نواز شریف' عمران خان قاضی حسین احمد اور اعتزاز احسن ہر قیمت پر مواخذہ چاہتے ہیں۔ آصف زرداری یہ بھی چاہتے ہیں کہ صدر کا مواخذہ نہ کیا جائے لیکن انہیں اس حد تک مجبور کر دیا جائے کہ وہ خود استعفیٰ دے کر گھر چلے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ صدر مشرف کی مدد بھی کرنا چاہتے ہیں یعنی انہیں ذلیل و رسوا نہیں کرنا چاہتے۔ وہ صدر مشرف کی محفوظ واپسی کے حق میں تھے۔ تاہم نواز شریف یہ نہیں چاہتے تھے۔ وہ مواخذہ ہی نہیں بلکہ محاسبہ بھی چاہتے تھے۔

اس دوران نواز لیگ کی قیادت نے آصف زرداری کو بتایا کہ مشرف اسمبلیاں توڑنا چاہتے ہیں۔ نواز لیگ کی قیادت نے اس حوالے سے مشرف کی موجودہ حکومت کو غیر مستحکم کرنے کی کوششوں سے بھی آگاہ کیا اور بعض ثبوت بھی آصف زرداری کو دیئے جنہیں دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔

آصف زرداری نے بعد ازاں اپنے ایک انٹرویو میں اس بات کا اعتراف بھی کیا کہ پرویز مشرف کی جانب سے موجودہ حکومت کو سبوتاژ کرنے کی متعدد کوششوں نے ہمیں صدر کے مواخذے کیلئے مجبور کیا۔ ہم نے مشرف کے سامنے آپشن رکھا تھا کہ آپ چلے جائیں آپ پر مقدمہ نہیں چلے گا لیکن اب میرے پاس اپنے حامیوں کے جارحانہ اقدام کی حمایت کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔ دو ماہ قبل جب میں نے یہ کہا تھا کہ صدر پرویز اب ماضی کا حصہ بن چکے ہیں اس وقت سے صدر کے مواخذے کی تحریک زیر غور تھی، ہم نے مواخذے کی تحریک لانے سے قبل صدر کو مستعفی ہونے کیلئے بھی متعدد پیغامات بھجوائے، یہ عمل مئی میں شروع کیا گیا، لیفٹیننٹ جنرل (ر) درانی سمیت متعدد شخصیات صدر کے پاس پیغام لے کر گئیں لیکن انہوں نے مستعفی ہونے سے انکار کر دیا۔

یہ تو آصف زرداری کا بیان تھا لیکن باخبر لوگ جانتے ہیں کہ اس سلسلے میں کام بہت پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ 2008ء انتخابات کے بعد ابھی نئی حکومت کے خدوخال بھی واضح نہیں ہوئے تھے تو اسی وقت اسلام آباد، لاہور اور کراچی میں مسلم لیگ نواز کی ایک اعلیٰ سطحی ٹیم اپنی توپوں کا رخ ایوان صدر کی طرف کر کے بیٹھی تھی اور اس بات پر غور کیا جا رہا

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا کہ صدر مشرف کو کس طرح ہٹایا جائے؟ یعنی صدر مشرف کا مواخذہ کس طرح کیا جائے؟ اس صورتحال کو ایوان صدر نے بھی بھانپ لیا اور صدر مشرف کی طرف سے یہ کوششیں ہونے لگیں کہ کم از کم پیپلز پارٹی اس کوشش میں مسلم لیگ نواز کا ساتھ نہ دے۔ نواز شریف کی شروع سے ہی خواہش تھی کہ صدر مشرف کا مواخذہ کر کے انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے۔

نواز شریف مخلوط حکومت کے پہلے دن سے ہی یہ سمجھنے لگ گئے تھے کہ کہ صدر مشرف کے خلاف مواخذے کی تحریک لا کر انہیں پارلیمنٹ کے ذریعے ایوان صدر سے رخصت کر دیا جائے۔ صدر مشرف کے خلاف وہ چارج شیٹ تیار بہت پہلے ہی تیار کر لی گئی تھی جسے بنیاد بنا کر ان کے خلاف پارلیمنٹ میں مواخذے کی تحریک پیش کی جانی تھی۔ اس چارج شیٹ میں صدر مشرف اور ایوان صدر کی جانب سے عوامی مینڈیٹ پر اثر انداز ہونے، پارلیمنٹ کو سبوتاژ کرنے، ججوں کی بحالی کے عمل کو روکنے اور مملکت کے اداروں کو باہم لڑانے سمیت آٹھ دیگر الزامات لگائے گئے تھے۔

جولائی میں بالآخر وہ لمحات بھی آ گئے جب میاں نواز شریف نے یہ محسوس کیا کہ اب مشرف کے مواخذے کے لئے آصف علی زرداری کو مجبور کیا جائے۔ اپنی اس کوشش میں نواز شریف کامیاب رہے۔ 8 اگست 2008ء کو جمعیت علماء اسلام (ف) اور عوامی نیشنل پارٹی کی قیادت کے درمیان تین روزہ تفصیلی مذاکرات کے بعد زرداری ہاؤس میں پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری نے میاں نواز شریف اور دیگر حلیف جماعتوں کے نمائندوں کے ہمراہ مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور مشترکہ اعلامیہ پڑھ کر سنایا۔ اعلامیہ میں کہا گیا کہ 18 فروری کو کنگز پارٹی (مسلم لیگ (ق) کی شکست کے بعد صدر پرویز کو مستعفی ہو جانا چاہئے تھا لیکن وہ مستعفی نہیں ہوئے لہذا اب ان کا مواخذہ آرٹیکل 47 کے تحت ہوگا۔ انہوں نے آئین کے آرٹیکل 56 کے تحت پارلیمنٹ سے ضروری خطاب بھی نہیں کیا، ان کے خلاف چارج شیٹ پیش کی جائے گی، 17 ویں ترمیم ختم اور ملک میں حقیقی پارلیمانی نظام قائم کیا جائیگا، صوبائی اسمبلیاں صدر کے مواخذے کی قرارداد پاس کریں گی۔

آصف علی زرداری نے مشترکہ اعلامیہ پڑھتے ہوئے کہا کہ صدر پرویز کی گزشتہ 8 برس کی پالیسیوں سے ملک معاشی انحطاط کا شکار ہو چکا ہے۔ انہوں نے کنگز پارٹی کے ساتھ سازشوں کے

ذریعے جمہوری تبدیلی کے عمل میں رخنہ ڈالا۔ صدر مشرف کو نئی منتخب اسمبلیوں سے اعتماد کا ووٹ لینا چاہئے۔

پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز نے اس اعلامیہ کے بعد عملی طور پر مشرف کی ایوان صدر سے رخصتی کے لئے کام شروع کر دیا۔ مشرف ایوان صدر میں بیٹھ کر یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اب انہیں انٹیلی جنس ایجنسیوں کی مدد حاصل نہیں تھی۔ اپنے قانونی مشیروں اور سیاسی اتحادیوں سے مشورے کے بعد وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہے تھے۔ چاروں صوبائی اسمبلیاں ان کے خلاف قرارداد منظور کر چکی تھیں جس میں انہیں اعتماد کا ووٹ لینے کو کہا گیا تھا۔

مشرف کے مشیروں شریف الدین پیرزادہ اور ملک قیوم نے صدر کو واضح طور پر بتا دیا تھا کہ وزیراعظم کی ایڈوائس کے بغیر وہ سپریم کورٹ کو کوئی ریفرنس بھجوا سکتے ہیں نہ اٹھاون (ٹو) بی کا آپشن استعمال کر سکتے ہیں اور نہ ہی مواخذے کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ ملک قیوم نے پرویز مشرف کو یہ بھی بتایا کہ مواخذے کی کارروائی رکوانے کیلئے سپریم کورٹ کو ریفرنس بھجوانے یا اس این آر او پر نظر ثانی کیلئے ریفرنس بھجوانا (جو کہ انہوں نے خود جاری کیا تھا) ممکن نہیں ہے۔ 90 کے عشرے کے وسط میں سپریم کورٹ ایک فیصلہ دے چکی ہے جسکی رو سے وزیراعظم کی رضامندی کے بغیر صدر ریفرنس دائر نہیں کر سکتے۔

اس موقع پر کئی لوگوں نے اس پرانے کمانڈو کو مشورہ دیا کہ وہ استعفیٰ دیدے۔ یہ مشورہ ان لوگوں کی جانب سے دیا جا رہا تھا جنہوں نے ان کے دور اقتدار میں بے مثال ترقی کی تھی۔

16 اگست 2008ء کو وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے بیان دیا کہ دو دن بعد مواخذے کی کارروائی شروع کر دی جائے گی، اس لئے مشرف کے پاس ایک دن ہے کہ وہ کوئی فیصلہ کر لیں۔ ایوان صدر کے ذرائع کے مطابق اس بیان، حکومت کے ارادے اور فوج کی طرف سے مدد نہ کرنے کے پیغام کے بعد مشرف اندر سے ٹوٹ گئے اور انہوں نے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا لیکن وہ اس فیصلے کو مناسب وقت پر ہی سامنے لانا چاہتے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مشرف نے استعفیٰ کیوں دیا؟

18 اگست 2008ء کا دن بھی آٹھ سال، دس ماہ اور چھ دن قبل کی طرح معمول کا دن تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ آٹھ سال دس ماہ اور چھ دن پہلے 12 اکتوبر 1999ء کو جمہوریت کی بساط پلٹی گئی اور 18 اگست 2008ء کو آمریت کی بساط پلٹی گئی۔ اس روز صبح کے قت ہی یہ اطلاعات آچکی تھیں کہ جنرل (ر) پرویز مشرف قوم سے خطاب کریں گے اور اس خطاب میں وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کا اعلان کر سکتے ہیں۔ اگر چہ پرویز مشرف کے استعفیٰ کی اطلاعات کئی روز سے آ رہی تھیں لیکن صدر کے ترجمان جنرل (ر) راشد قریشی بار بار اس کی تردید کر رہے تھے۔

18 اگست 2008ء کی صبح ایوان صدر کی طرف سے پاکستان ٹیلی ویژن کی انتظامیہ کو یہ احکامات جاری کئے گئے کہ صدر پرویز مشرف قوم سے خطاب کو براہ راست دکھانے کا انتظام کیا جائے۔ ایوان صدر کے اس مطالبے پر پی ٹی وی کی انتظامیہ نے لیت ولعت سے کام لیا اور کہا کہ صدر مشرف اپنی تقریر ریکارڈ کروا دیں۔ وہ پی ٹی وی پر چلا دی جائے گی۔ یہ مطالبہ ایم ڈی پی ٹی وی ڈاکٹر شاہد مسعود کا تھا۔ تاہم ایوان صدر اس پر راضی نہ ہوا اور ان کی طرف سے نجی ٹی وی چینلز کو ایوان صدر بلا لیا گیا۔ یہ دیکھ کر پی ٹی وی کی انتظامیہ کو بھی اپنا فیصلہ بدلنا پڑا اور پی ٹی وی کا شاف بھی لائیو کوریج کے لئے ایوان صدر پہنچ گیا۔

صدر پرویز مشرف نے قوم سے خطاب شروع کیا اور اپنے آٹھ سالہ دور حکومت کی "کامیابیاں" گنوانی شروع کیں۔ ان کے اس خطاب کو دیکھتے ہوئے کہیں بھی یہ محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ مستعفی ہونے کا اعلان کریں گے۔ خطاب سے قبل تلاوت کلام پاک مین جو آیت پڑھی گئی

اس کا ترجمہ یہ تھا۔

"وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین کے ہی لیے ہے۔ سو جو کوئی بھلائی لے کر آئے گا اس کے لیے اس سے بہتر بھلائی ہے اور جو کوئی برائی لے کر آئے تو برائیاں کرنے والے کو ویسا ہی بدلہ ملے گا۔۔ جیسے وہ عمل کرتے تھے۔"

تقریر کے دوران نیا سوٹ اور ٹائی پہنے صدر کے لہجے میں گھن گرج تھی لیکن دو سے زیادہ مواقع پر جہاں ان کی زبان لڑکھڑائی وہاں ان کے چہرے پر تناؤ اور آنکھوں میں نمی دکھائی دی۔ ایک گھنٹے کی تقریر میں انہوں نے نواز شریف اور آصف علی زرداری کا نام لیے بنا ان کے خلاف تنقید کی۔ تقریر کی شروعات سے لگا کہ وہ روانی سے اور ٹو دی پوائنٹ بول رہے ہیں لیکن آخر میں ان کے جملے بے ربط ہو گئے۔ تقریر کے دوران کئی مواقع پر صدر پرویز مشرف بولتے تو رہے لیکن ان کی گردن جھکی ہوئی اور نظریں نیچے تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا جہاں ان کے ارد گرد ملٹری سیکریٹری یا محافظ کمانڈوز کو ٹی وی چینلز نے نہیں دکھایا اور نہ ہی صدر کی آمد اور روانگی کے شاٹ دکھائے گئے۔ لیکن صدر نے اپنے استعفے کا اعلان مکمل پروٹوکول کے ساتھ کیا۔ آخری کلمات ادا کرتے ہوئے صدر جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ جہاں جہاں ان کا لہجہ دھیمہ ہوا وہاں آواز بھی بھرا گئی۔ آخری چند جملے انہوں نے کچھ وقفے وقفے سے ادا کیے لیکن جاتے جاتے جہاں ملک وقوم کے لیے جان دینے کی بات کی وہاں انہوں نے یہ بھی کہا کہ "پاکستان کا خدا حافظ"۔ پرویز مشرف نے روسٹرم چھوڑتے وقت دونوں بازو بلند کر کے اپنی تقریر ختم کی لیکن اس دوران ان کے چہرے کے تاثرات ان کے مکوں کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

پرویز مشرف نے اس خطاب میں کہا:

میرے عزیز ہم وطنو، بہنو اور بھائیو، السلام علیکم۔ ملک آج جن حالات سے گزر رہا ہے مجھے بھی اور سب کو معلوم ہے۔ میں نے ملک کی باگ ڈور 9 سال قبل سنبھالی، اس وقت صورتحال کیا تھی، یہ ملک ایک دہشتگرد ریاست قرار دیا جانے والا تھا، یہ ملک معاشی لحاظ سے ناکام ریاست قرار دیا جانے والا تھا۔ اس وقت میرے ذہن

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں ایک ہی سوچ اور ایک ہی خیال تھا کہ میری اس ملک سے بے پناہ محبت ہے اور میں نے سوچا کہ تقدیر میں اس ملک کو بچانا اور اسے ترقی کی طرف لے کر جانا ہے تو میں اپنے تن، من، دھن کی بازی لگا دوں گا۔ پچھلے 9 سالوں میں، میں نے اسی جذبے کے ساتھ پاکستان کو جو درپیش چیلنجز اور بحران آئے ان کا سامنا کیا۔ میرے خیال میں نو سالوں میں جو چیلنجز پاکستان کے سامنے آئے ہیں، کسی اور وقت کسی اور دور میں نہیں آئے ہیں، چاہے وہ معاشی تباہی سے پاکستان کو بچانا ہو، چاہے وہ 2000ء کی خشک سالی کا مقابلہ کرنا ہو اور عوام کو مصیبتوں سے بچانا ہو، چاہے وہ 2001ء کی ہندوستان کے ساتھ محاذ آرائی ہو، جس میں کہ جنگ کے بادل پاکستان کے آسمانوں پر پاکستان پر منڈلا رہے تھے، 10 مہینے کیلئے، اس چیلنج کا مقابلہ کرنا ہو، چاہیے وہ نائن الیون کا سانحہ ہو اور اس کے ''فال آؤٹس'' (اثرات) کے اس تمام خطے اور خاص طور پر پاکستان پر، چاہیے وہ 2005ء کا زلزلہ ہو جس سے شمالی علاقہ جات اور کشمیر کو ترقی کی طرف واپس اور چیلنج کو ایک موقع کی طرح تبدیل کرنا ہو، ان تمام بحرانوں میں اللہ تعالی کی مدد شامل حال رہی۔ ہم نے ان تمام بحرانوں کا چیلنجز کا مقابلہ کیا اور ان سے نمٹا اور مجھے فخر ہے کہ ہم نے پاکستان اور اس کی عوام کو محفوظ رکھا۔ ہر کام میں میری نیت صاف رہی جو بھی حل دیکھا کسی مشکل کا، کسی سانحہ کا، کسی چیلنج کا اس میں ملک اور قوم کے مفاد کو ہمیشہ ترجیح دی۔ ذات سے بالاتر ہو کر ملک کو اور عوام کو ترجیح دی۔ سب سے پہلے پاکستان، کا نعرہ لگایا، یہ نعرہ قوم کو دیا، یہ محض دکھاوا نہیں تھا، یہ میرے دل کی گہرائیوں کی آواز تھی اور اب بھی یہی آواز رہے گی، مستقبل میں بھی آواز سب سے پہلے پاکستان ہی رہے گی۔

اس ملک کے لئے پاکستان کیلئے دو جنگیں لڑیں اور ہمیشہ خون کا نذرانہ دینے کیلئے تیار رہے اور مجھے فخر ہے کہ اب بھی میرے میں یہی جذبہ قائم ہے اور آئندہ بھی یہی جذبہ رہے گا۔ بد قسمتی ہماری کچھ عناصر اپنے ذاتی مفاد کو ملکی مفاد سے اوپر رکھتے ہیں۔ جھوٹے بے بنیاد الزامات میرے پر لگائے، جھوٹ کو سچ، سچ کو جھوٹ بنانے

کی کوشش کرتے رہے، عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی، عوام کو دھوکہ دیتے ہیں، ان کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ میرے خلاف تو شاید ان کو کامیابی مل جائے لیکن اس کا ملک کو کتنا نقصان اٹھانا پڑے گا اس کا انہوں نے کبھی احساس نہیں کیا۔ یہ عناصر وہ تھے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہماری تمام پالیسیاں پچھلے نو سال غلط رہی ہیں، معاشی تباہی کی طرف ہم جا رہے ہیں وہ پچھلے آٹھ سال کی پالیسیوں کی وجہ سے ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بجلی کا بحران بھی ہماری پالیسیوں کی وجہ سے ہے۔ یہ بلکل غلط اور ملک کے ساتھ فریب ہے۔ کچھ حقائق میں قوم کے سامنے رکھنا چاہوں گا۔ سب سے پہلے تو معیشت کی بات کرنا چاہوں گا۔ یہ وقت اس کی تفصیلات میں جانے کا نہیں ہے اس کی تفصیلات ایک پیپر میں لکھ دی ہیں وہ میں ریلیز کر دوں گا پریس میں کہ آپ سب کو کہ آپ سب آگاہ ہو جائیں کہ اصل صورتحال ہماری معیشت کی کیا ہے لیکن فی الحال میں یہ کہنا چاہوں گا کہ معیشت کے حوالے سے چند باتیں دسمبر 2007ء یعنی 8 مہینے پہلے پر ذرا نظر ڈالیں۔ کیا حالت تھی؟ معیشت بالکل ٹھیک تھی بلکہ پختہ تھی آٹھ مہینے پہلے، جی ڈی پی ہماری 7 فیصد اوسط سے بڑھ رہی تھی اور 63 ارب ڈالر سے 160، 170 ارب ڈالر پر پہنچ گئی تھی، ڈبل سے زیادہ، غیر ملکی زرمبادلہ کے ہمارے ذخائر 17 ارب ڈالر پر پہنچ گئے، ہماری ریونیو وصولیاں ایک ٹریلین یا ایک ہزار ارب روپے پر پہنچ گئی تھیں، ہماری سٹاک ایکسچینج انڈیکس تقریباً 16 ہزار کے قریب پہنچ گیا تھا اور سب سے بڑی بات ایکسچینج ریٹ ایک ڈالر کی قیمت 8 سال تک 60 روپے کے ارد گرد رہی۔ یہ ہماری اکانومی کی طاقت تھی اس کی وجہ سے یہ ساری (مین انڈیکیٹرز) بنیادی اعشاریے جو میں نے آپ کو بتائے ہیں معاشی خوشحالی کے اعشاریے اور میں یہ آٹھ مہینے پہلے کی صورتحال آپ کو بتا رہا ہوں۔ اس وجہ سے دنیا کی اسسمنٹ ایجنسیز (Agencies Assesment)، ایویلو ایٹنگ ایجنسیز (Agencies Evaluating) انہوں نے پاکستان کو این 11 میں قرار دیا۔ این 11، نیکسٹ 11 اور یہ نیکسٹ 11 وہ ممالک دنیا کے جو برک ممالک کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بعد اور برک کون سے۔۔۔؟ برازیل، روس، انڈیا، چین، برکس۔۔۔ یہ چار تو پروگریسو اکانومیز، ڈائی نیمک اکانومیز ان کے بعد پوری دنیا میں جو نیکسٹ 11 تھیں ان میں پاکستان کا بھی شمار کیا گیا۔ یہ میں کوئی ایسی چیز نہیں بتا رہا ہوں اپنی طرف سے دنیا کے کسی ادارے میں معلوم کریں اور آپ کو پتہ چل جائے گا، صورتحال پاکستان کی، معیشت کی پختگی کی یہ صورتحال تھی آٹھ مہینے پہلے۔

یہ بحران معاشی بحران تو چھ مہینے پہلے شروع ہوا، ہماری فارن ایکسچینج ریزروز 10 ارب ڈالر سے بھی نیچے چلی گئیں۔ ایکسچینج ریٹ جو آٹھ سال سے 60 روپے پہ تھا آج 77 روپے پہ چلا گیا ہے۔ سٹاک ایکسچینج جو 15 ہزار 700 یا 16 ہزار کے قریب تھا آج 10 ہزار کے ارد گرد منڈلا رہا ہے۔ سرمایہ کی بیرون ملک منتقلی ہو رہی ہے، لوگ اپنا سرمایہ بیرون ملک لے جا رہے ہیں۔ سرمایہ کار چاہے وہ اپنے لوگ ہوں یا باہر کے انہوں نے اپنا ہاتھ روک لیا ہے۔ اس کا اثر غریب عوام پہ مہنگائی کی صورت میں سامنے ہے، آٹا، دال، گھی کی قیمتیں، ڈیڑھ سے دگنی ہو گئی ہیں اور ان سے عام غریب عوام کو تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ یہ انٹرنیشنل بحران جس کا پاکستان کو بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ انٹرنیشنل بحران تیل کی قیمتوں کی وجہ سے، فوڈ کریز خاص طور پر گندم کی قیمتوں کی وجہ سے اور ہمارے لئے کھانے کے تیل بھی جو ہم درآمد کرتے ہیں کی قیمتوں کی وجہ سے یہ ضرور ہماری معیشت کے اوپر اثر انداز ہوا لیکن چونکہ ہماری معیشت پختہ تھی 2007ء نومبر تک ہم نے یہ تمام دھچکے ہماری معیشت نے سہے اور اسی لئے ایکسچینج ریٹ بھی مستحکم رہا، غیر ملکی زرمبادلہ کے ذخائر بھی بڑھتے رہے، سب معاملات معاشی لحاظ سے ٹھیک چلتے رہے لیکن اب یہ (ڈاؤن سٹرائیک) تنزلی کی طرف بڑھ رہے ہیں تو یہ کہنا کہ یہ پالیسی نو سال سے ہی خراب تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو بھی یہ کہتا ہے پاکستان کیلئے نقصان دہ اور عوام کو گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔ بجلی کا بحران جو میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا ہوں، بجلی کی طلب میں چونکہ معاشی حالت بہتر ہو رہی تھی، عوام میں

ترقی ہو رہی تھی، پیسے زیادہ ہو گئے تھے، تو بجلی کی طلب میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے پچھلے سات آٹھ سال میں اور میں اعتراف کروں گا کہ اس کے مقابلے میں ہم نے اپنی (بجلی کی) پیداواری صلاحیت کو اسی رفتار سے اور مقدار میں نہیں بڑھا سکے لیکن یہ کہنا کہ بجلی کی پیداواری صلاحیت میں کوئی اضافہ ہی نہیں ہوا پچھلے نو سالوں میں یہ سراسر غلط ہے۔ تین ہزار میگاواٹ سے زیادہ جنریشن گزشتہ نو سال میں ہوئی ہے لیکن جیسے میں نے کہا کہ ناکافی رہی کیونکہ اقتصادی ترقی بہت تیز تھی اور بجلی کی مانگ بہت زیادہ تھی۔ لیکن یہ کہنے کے بعد میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اب کیا صورتحال ہے۔ جون 2007ء میں ہم 14 ہزار میگاواٹ بجلی پیدا کر رہے تھے۔ جون 2008ء میں 10 ہزار میگاواٹ پیدا کر رہے ہیں۔ کیوں؟ پیداواری صلاحیت وہی ہے لیکن 'سرکلر ڈیٹ' کا مسئلہ ہوا ہے۔ پیسے نہیں مل رہے ہیں (بجلی) جنریٹ کرنے والی (نجی کمپنیاں) آئی پی پیز کو اس لئے ان بجلی پیدا کرنے والی کمپنیوں نے بجلی پیدا کرنی کم کر دی ہے تو لہٰذا یہ لوڈ شیڈنگ زیادہ ہو گئی۔ یہ حقائق میں نے اس لئے بتائے کہ قوم کو خاص طور پر یہ دو باتیں جن کے اوپر ایک فضا بنائی جا رہی ہے کہ پچھلی حکومت نے گزشتہ نو سال کے دوران کچھ بھی نہیں کیا یہ سراسر جھوٹ ہے، قوم کے ساتھ فریب ہے اور میں یہ کہوں گا کہ یہ ساری باتیں کھلیں تو قوم کو اور ملک کو اور زیادہ نقصان ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لئے ماضی کو چھوڑیں آئندہ کے مستقبل کو دیکھیں یہ جتنے بھی معاملے ہیں یہ حل ہو سکتے ہیں، حکومت کو ان کا حل ڈھونڈنا چاہئے اور میں چاہتا ہوں کہ اور میری یہ دعا ہے کہ اور یہ کیونکہ یقین بنایا جا سکتا ہے اس لئے میری دعا بھی ہے کہ حکومت مستقبل کی طرف دیکھ کر ان مسائل کا حل ڈھونڈے اور پاکستان کو آگے کی طرف لے کر جائے۔

بہنو اور بھائیو

کچھ اور حقائق میری نظر میں ہیں، میں ان پر نظر ڈالنا چاہوں گا۔ میرے خیال میں، میں یہ پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے ان پچھلے نو سالوں میں ہر شعبے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی بہتری کیلئے، ہر شعبے کے (مسائل) پر توجہ دی اور ہر شعبے میں پاکستان کو آگے ترقی کی طرف لے کر گئے۔ ترقیاتی منصوبوں کی سب سے پہلے میں بات کرنا چاہوں گا، بہت اختصار کے ساتھ۔ سڑکوں کو دیکھیں، مواصلاتی نظام کو دیکھیں۔ ایک ایم ٹو بنائی گئی تھی راولپنڈی سے لاہور تک، اس کا بہت چرچا ہوا تھا، اس کے علاوہ مجھے نہیں نظر آتا کہ پہلے کیا گیا تھا اس ملک میں، لیکن میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان نو سالوں میں ساڑھے سات سو کلومیٹر کی کوسٹل ہائی وے بنائی گئی۔ ایم ون پشاور سے راولپنڈی اسلام آباد سڑک بنائی گئی، ایم تھری لاہور سے فیصل آباد کی طرف سڑک بنائی گئی، اسلام آباد مری ایکسپریس وے بنائی گئی۔ کراچی ناردرن بائی پاس بنایا گیا۔ لواری ٹنل زیر تعمیر ہے، گوادر سے رتوڈیرو نو سو پچاس کلومیٹر کی سڑک زیر تعمیر ہے، شمالی علاقہ جات کی سڑکیں بنائی گئی ہیں جو چترال، گلگت، ہنزہ، سکردو کو آپس میں ملاتی ہیں اور ان کے علاوہ کراچی، لاہور، راولپنڈی، اسلام آباد کی طرف نظر ڈالیں تو سڑکوں کا نظام، کتنی ترقی کر رہا ہے یہ آپ خود ہی دیکھ سکتے ہیں۔ آبی منصوبوں کو لے لیں، جس کے بارے میں کچھ نہیں کیا جا رہا تھا اس سے پہلے، تیس سال گزر گئے ہم نے بڑے ڈیم بنائے تھے، اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرانی ڈیم تیار ہو گیا ہے، سبکزئی ڈیم تیار ہو گیا اس کا افتتاح ہو گیا، ست پارہ ڈیم سکردو میں تیار ہو کر اس کا افتتاح ہو گیا، منگلا ڈیم کی اونچائی مکمل ہو گئی ہے آج کل ادھر پانی بھرا جا رہا ہے، تیس فٹ زیادہ پانی اس کی اب پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت دوگنا ہو جائے گی اس سے جتنا زیادہ آبپاشی کو فائدہ ہو گا وہ آپ خود ہی جانتے ہیں۔ گومل زام ڈیم بنایا جا رہا ہے۔ اگر نہروں کو لیا جائے تو کچھی کینال بنایا جا رہا ہے، ساٹھ ستر فیصد تک مکمل ہے تقریباً اس سے سات لاکھ ایکڑ زمین سیراب ہو گی۔ رینی کینال بن رہا ہے۔ ٹل کینال بن رہا ہے، یہ کینال جب بن جائیں گے اور ڈیمز جو بن گئے ہیں یہ مجموعی طور پر تین ملین ایکڑ زمین، غیر کاشت شدہ زمین کو سیراب کریں گے۔ اس کا ہماری زراعت کو کیا فائدہ ہو گا اس کا آپ خود اندازہ لگا لیں۔ تیس لاکھ ایکڑ غیر کاشت شدہ زمین اس سے سیراب ہو گی۔ اس کے علاوہ کھالوں کو

پختہ کرنے کا عمل چاروں صوبوں میں جاری ہے۔ ستر فیصد مکمل ہو گیا ہے۔ 65 ارب روپے کا یہ منصوبہ تھا اس سے بھی کاشتکاروں کا فائدہ ہے جو آخری سرے پر کاشتکار ہیں ان کا فائدہ ہو گا۔ گوادر بندرگاہ بن چکی ہے، نئے ہوائی اڈے بن رہے ہیں کچھ بنائے گئے ہیں، کچھ کو بہتر بنایا گیا ہے، ٹیلی کمیونیکیشن میں انقلاب آ گیا ہے۔ پانچ سال پہلے پانچ چھ لاکھ موبائل فون ہوتے تھے آج آٹھ کروڑ موبائل ٹیلی فون ہیں، ٹیلی ڈینسٹی 2.9 فیصد تھی جو آج پچاس فیصد سے زائد ہے یہ ایک انقلاب ہے۔ یہ تھی ترقیاتی منصوبوں کی بات۔ صنعت کو دیکھیں ہر طرف صنعتیں، ہر طرف انڈسٹری پھیل رہی تھی لوگوں کو نوکریاں مل رہی تھیں، سرمایہ کاری آ رہی تھی، اسی سے اندازہ لگائیں کہ کسی ہوٹل میں جائیں۔ تو سو فیصد کمرے بک ہوتے تھے اس کی وجہ سے اسلام آباد میں بھی چار پانچ ہوٹل بنائے جا رہے تھے۔ یہ صورتحال تھی سرمایہ کاری کی، پاکستان میں اور چونکہ انڈسٹری یہاں لگ رہی تھی، بیرون ملک سے لوگ آ رہے تھے۔ ملک کے اندر اور باہر سے لوگ صنعتیں لگا رہے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کو نوکریاں مل رہی تھیں، جب نوکریاں مل رہی ہوں تو بیروزگاری میں کمی آتی ہے۔ بے روزگاری کام ہونے سے غربت کم ہوتی ہے۔ جو 34 فیصد سے کم ہو کر 24 فیصد پر آ گئی۔ یہ صورتحال تھی عوام کی بہتری اور خوشحالی کی۔ تعلیم کے شعبے کو اگر دیکھا جائے تو اس کی تفصیلات میں میں نہیں جانا چاہتا ہوں، خواندگی کے مسئلے کو بحال کر رہے تھے، ہم سیکنڈری، پرائمری سطح پر توجہ دے رہے تھے لیکن میں یہاں پر صرف دو چیزوں کا ذکر کروں گا۔ فنی تعلیم اور ووکیشنل تربیت اس کا جال پھیل رہا تھا نیوٹیک کے نیچے اس میں آرمی بھی شامل تھی، بورڈ اس میں شامل تھے کئی ہزار بچے ووکیشنل ٹریننگ لے رہے تھے اور ان کو نوکریاں مل رہی تھیں، ہنر سیکھ رہے ہیں اور پیسے کما رہے ہیں۔

یہ صورتحال تھی ٹیکنیکل ایجوکیشن اور ووکیشنل ایجوکیشن کی، ہائر ایجوکیشن کا اگر میں نے ذکر نہ کیا تو بہت زیادتی ہو جائے گی۔ ہائیر ایجوکیشن میں دو باہر کی یونیورسٹیاں، ترقی یافتہ ممالک کی، ہمارے ساتھ مشترکہ منصوبہ کے تحت آغاز کر رہی تھیں۔ معاہدے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہو رہے تھے اور وہ آنے کو تیار تھیں، اراضی مختص کی جا چکی ہے، پیسے مختص ہو چکے تھے، اور آگے کی ہم سوچ رہے تھے۔ اور اس کے علاوہ ایک پی ایچ ڈی پروگرام جو کہ ایک بہترین پروگرام ہے، جبکہ پہلے دو تین درجن پی ایچ ڈی سائنس اور انجینئرنگ کے مضامین میں ہوتے تھے آج فخر سے کہتا ہوں کہ ہمارا ہدف ڈیڑھ ہزار پی ایچ ڈی سالانہ 2010ء□ تک بنایا، اور میں یہ بات بھی فخر سے کہتا ہوں کہ تقریباً تین ساڑھے تین سو پی ایچ ڈی ملک واپس آ گئے ہیں اور اس وقت تقریباً ایک ہزار پی ایچ ڈی پروگرام کے تحت تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یہ تعلیم کے شعبے میں۔ پھر صحت کا شعبہ، اس میں میں یہی کہوں گا کہ ہم نے پرائمری اور سیکنڈری ہیلتھ کیئر کو ترجیح دی، اس میں بے شمار بنیادی مراکز صحت، تحصیل اور ڈسٹرکٹ ہسپتالوں کو قائم کیا اور سب سے بڑی بات کہ پینے کے صاف پانی کی فراہمی کا سلسلہ جس میں ہم نے پانی صاف کرنے کے پلانٹ پورے پاکستان بھر میں جال پھیلانے کا منصوبہ بنایا اس پر اربوں روپے لگائے گئے ہیں۔ ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ یونین کونسل تک چھ ہزار پینے کا صاف پانی فراہم کرنے والے پلانٹ لگائے جائیں تا کہ یہ جو بیماریاں پھیلتی ہیں پینے کے پانی سے، اس سے لوگوں کو عوام کو محفوظ رکھا جا سکے، یہ منصوبہ الگ تھا، خواتین کے شعبہ کی میں ضرور ذکر کرنا چاہوں گا، اس میں کیا ہوا، خواتین کو بااختیار بنانے، خواتین کی ترقی کیلئے میں سمجھتا ہوں کہ کوئی ملک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ ہم خواتین کو جائز رول نہ دے سکیں اور برابری نہ دے سکیں۔ اس شعبہ میں ہم نے تین نکاتی حکمت عملی اختیار کی یعنی، سیاسی طور پر بااختیار بنانا، معاشی طور پر بااختیار بنانا اور قوانین میں ترمیم لا کر خواتین کے ساتھ جو زیادتیاں ہو رہی تھیں، امتیازی قوانین کو ٹھیک کرنا۔ سیاسی طور پر بااختیار نہ بناتے تو آج جو بھی خواتین چاہے وہ اپوزیشن میں ہی بیٹھی ہوئی ہیں، چاہے وہ اتحادی حکومت کی ہیں سب کو پتہ ہونا چاہیئے کہ ہماری پالیسی خواتین کو بااختیار بنانے کی جس میں ان کیلئے مخصوص نشستیں بنائی گئیں۔ لوکل گورنمنٹ لیول پر، صوبائی سطح پر، قومی سطح پر سینٹ میں جس کی وجہ سے وہ آج یہاں بیٹھی ہوئی ہیں اور اپنی آواز بلند کر سکتی ہیں۔ جیسا کہ معاشی طور پر

انہیں بااختیار بنانے اور امتیازی قوانین کے بارے میں میں نے آپ کو بتا دیا، عزت کے نام پر قتل اور حدود آرڈیننس کو بھی ہم نے جائز طریقے سے اسلامی نظریے کے مطابق، اقلیتوں کا بھی ہم نے خیال رکھا ان کو بااختیار بنایا وہ بھی خوش ہیں۔ کیونکہ ہم نے ان کو مخلوط طرز انتخاب دے دیا اور دوہرا فائدہ دیا کہ وہ اپنی مخصوص نشستیں بھی قائم رکھیں۔ ثقافت اور ورثہ اس کو بھی ہم نے فروغ دیا اس کو بھی ہم نے نظر انداز نہیں کیا، ہر ملک کو اپنے ورثہ اور ثقافت کا خیال رکھنا چاہیئے تا کہ دنیا بھی دیکھے کہ ہم نئی عوام اور قوم نہیں ہیں ہماری ایک بھرپور تاریخ اور ثقافت ہے، اس میں آپ دیکھیں گے کہ ہم نے قائداعظم کے مزار کے ساتھ ہم نے بہتری کی جس کی وجہ سے وہاں ہزاروں لوگ ہر شام بیٹھ سکتے ہیں اور تفریح کر سکتے ہیں۔ اسلام آباد میں آپ دیکھیں یہاں ایک ثقافتی میوزیم بنایا جس میں ہزاروں لوگ جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ پاکستان کی تاریخ کیا ہے اور ہماری ثقافت کیا ہے، علاقائی ثقافت کیا ہے پھر ہم نے یہاں قومی یادگار بنائی ہے جو خوبصورت یادگار ہے لوگ وہاں جاتے ہیں اس کے ساتھ ایک اور میوزیم بنایا گیا ہے جو تحریک پاکستان کے بارے میں عوام کو اور آنے والی نسلوں کو بتائے گا، ہم نے یہاں ایک آرٹ گیلری کھولی ہے جو دنیا کے لوگ وہاں آتے ہیں اسے دیکھتے اور حیران ہوتے ہیں کہ یہ اتنی زبردست آرٹ گیلری کھولی ہے اگر آپ لاہور جائیں تو بہت خوبصورت باغ پاکستان بنایا جا رہا ہے، والٹن میں بنایا گیا ہے، یہ خوبصورت قومی یادگار ایک سال بن کر سامنے آیا ہے، کراچی جائیں تو وہاں نیپا (نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹ) یہ ہم نے بنائی ہے اور اس میں فخر سے کہتا ہوں کہ آج پرفارمنگ آرٹ جسے بعض لوگ عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے آج پڑھے لکھے جوان، بچے بچیاں یہاں سے ڈگریاں لے رہے ہیں۔ تین سال کا کورس کر کے ڈگریاں لے رہے ہیں۔ یہ ہم نے پرفارمنگ آرٹ کو فروغ دیا ہے اور ثقافت اور ورثہ کو آگے لے کر گئے ہیں۔ جمہوریت کی بات بہت ہوتی ہے، میں فوجی ہوں، میرے خلاف یہ ہے کہ میں جمہوریت کے خلاف ہوں میرے خیالات اس کے بالکل برعکس ہیں، پہلے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جمہوریت کی بات ہوتی تھی وہ صرف بوتل پر جمہوریت کا لیبل تھا اس بوتل کے اندر جمہوریت کی روح نہیں ہوتی، ہم نے گذشتہ نو سال کے اندر اس میں جمہوریت کی روح ڈالی۔ لوکل گورنمنٹ کا نظام متعارف کرایا، لوکل گورنمنٹ کا نظام وہ ہے جو پالیسی تشکیل دینے اور اس پر عملدرآمد میں جو خلاء تھا اس کو پورا کرتا ہے۔ یہاں اسلام آباد میں یا صوبائی دارالحکومتوں میں بیٹھ کر پالیسیاں تو بہت بنتی تھیں لیکن نچلی سطح پر ان پر عملدرآمد یونین کونسل کی سطح پر، گاؤں کی سطح پر ان پر عملدرآمد نہیں ہوتا تھا۔ یہ وہ ایک ادارہ ہے جس نے عملدرآمد کے اس خلاء کو دور کیا۔ میری نظر میں جو شخص کوئی فرد اس کے خلاف بولتا ہے اس کے خلاف کارروائی کریں گے وہ میرے خیال میں پاکستان کے ساتھ پاکستان کو نقصان پہنچائے گا۔ ہم نے دو انتخابات کرائے، سینٹ میں نیشنل اسمبلی اور صوبائی اسمبلیاں، لوکل گورنمنٹ دو مرتبہ انتخابات کرائے اور تمام نے اپنی مدت پوری کی، اس کے علاوہ میں نے اقلیتوں اور خواتین کو با اختیار بنانے کے بارے میں پہلے بتا دیا ہے۔ یہ جمہوریت اس کی حقیقی روح کی میں بات کر رہا ہوں جسے ہم نے متعارف کرایا ہے۔ دنیا میں پاکستان کا رتبہ 1999ء سے پہلے کہاں تھا، پاکستان کی کوئی پہچان نہیں تھی، پاکستان کو کوئی جانتا نہیں تھا، پاکستان کی بات کوئی سنتا نہیں تھا، ہم نے پاکستان کو ایک رتبہ دیا، ہماری بات سنی جاتی ہے، فورمز پر جب ہم جاتے ہیں تو ہماری بات کی ایک اہمیت ہوتی ہے تو لہذا پاکستان کو دنیا کے نقشے پر ڈال دیا اور اس کو اہمیت دی، اس کو رتبہ دیا، جو آج بھی ا? تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے۔ امن وامان کی بات بہت ہوتی ہے، میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اس میں ہم اپنی پوری کوشش کی اور کچھ کامیابیاں ہوئیں، امن وامان نافذ کرنے والے اداروں کو ہم نے چاہے وہ سول آرمڈ فورسز ہوں یا پولیس، پولیس میں بھرتیوں میرٹ پر مبنی، ان کی تربیت اس میں بہتری ان کیلئے ساز وسامان، ان کی استعداد کار میں اضافہ، فرینزک لیبارٹریاں کھولیں اور سول آرمڈ فورسز کی ان کی آرگنائزیشن بہتر کی اور ان کیلئے اسلحہ اور تربیت بہتر بنائی۔ اس کے نتیجے میں میرے خیال میں جو کامیابی ملی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے جو بھی کوئی اہم شخصیت جاتی تھی تو اس کے آگے

پیچھے کلاشنکوف پکڑے ہوئے ہڈ پہنے ہوئے بعض اوقات لوگ ان کے آگے پیچھے گھوم رہے ہوتے تھے سڑکوں اور ہوائی اڈوں پر اور سب لوگوں کو پریشان کرتے تھے اور اگر کوئی جلسہ ہو رہا ہے تو وہاں سو آدمی ہڈ پہنے ہوئے کلاشنکوف پکڑے ہوئے کھڑے ہوتے تھے، یہ کیسا ملک چل رہا تھا، وہ الحمدا? سب سلسلہ ختم ہو گیا تھا، اسلحہ کی نمائش، کلاشنکوف کی نمائش اور نقاب پوش لوگوں کی عوامی جلسوں میں سڑکوں پر کہیں نظر نہیں آتے تھے، یہ کامیابی ہے لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ ستمبر گیارہ کے بعد ایک نیا دہشت گردی کا کردار بدقسمتی سے شروع ہوا، خودکش حملوں کے سلسلے سے نمٹنا پڑے گا۔ پوری قوم کو مل کر امن امان نافذ کرنے والے اداروں کا ساتھ دے کر سے نمٹنا پڑے گا۔ یہ تمام کامیابیاں تھیں جن پر مجھے فخر ہے، دنیا کے رتبے کی اگر میں نے بات کی ہے تو اس کا ثبوت آپ ڈونرز کانفرنس پر نظر ڈالیں جو زلزلے کے بعد ہم نے ڈونرز کانفرنس بلائی، 80 ممالک کے نمائندے اور مندوب آئے جبکہ ہمیں پانچ ارب ڈالر کی ضرورت تھی ہمیں ساڑھے چھ ارب ڈالر دینے کے وعدے کئے گئے، یہ ہمارا رتبہ تھا، یہ پاکستان کی پوزیشن تھی اور جیسے میں نے کہا کہ ان کامیابیوں پر مجھے فخر ہے۔ حکومت کو فخر ہے اور یہ تمام کامیابیاں پاکستان اور پاکستان کے عوام کیلئے کی گئیں۔

اب کچھ ان باتوں کے بعد موجودہ صورتحال پر آتے ہیں۔ پاکستان کی سیاسی دنگل میں شروع سے میری کوشش مفاہمت کی رہی ہے، یہی میری کوشش تھی کہ مفاہمت کی فضاء □ بنائی جائے، اس کا ثبوت میرا اپنا رویہ ذاتی سطح پر اور ادارے کی سطح پر، ذاتی سطح پر اپنے اس رویے کی میں وضاحت نہیں کرنا چاہتا، جو میں کہنا چاہ رہا ہوں لوگ وہ سمجھیں، کوئی انتقامی کارروائی، کوئی بدلہ لینے کا رویہ اختیار نہیں کیا اور میں نے ذاتی طور پر بھی ایسا رویہ اختیار نہیں کیا۔ ہم تین مراحل میں تبدیلی کی بات کی تھی کہ 1999ء□ سے بتدریج تبدیلی لاؤں گا اور بتدریج جمہوری عمل کو فروغ دیا جائے یہی تین مرحلوں کا پروگرام چلتا رہا، اس کا تیسرا مرحلہ آیا جس میں نے بری فوج کے سربراہ عہدے کو چھوڑا اور پھر 18 فروری کو ایک بہت شفاف اور صاف انتخابات

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرائی جو پوری دنیا مانتی ہے کہ اس ملک میں سب سے شفاف اور صاف انتخابات ہوئے اور ان انتخابات کے بعد بہت خوش اسلوبی سے اختیارات منتقل کر دیئے گئے۔ یہ ثبوت ہے ہمارا اور میرا ذاتی طور پر یقین مفاہمت اور مفاہمت کی فضاء کو قائم کرنے کیلئے کوشش رہی۔

18 فروری کے انتخابات کے بعد عوام کی کچھ امیدیں، امنگیں اپنے منتخب نمائندوں اور حکومت کی طرف سے وابستہ ہوئیں۔ وہ کیا امیدیں تھیں؟ وہ کیا امنگیں تھیں؟ وہ چاہتے تھے کہ مسائل کا حل ملے، ماضی کو چھوڑا جائے، مستقبل کی طرف دیکھا جائے۔ پاکستان اور پاکستان کی عوام کو اور خاص طور پر غریب عوام کو ترقی کی طرف لے کر جایا جائے۔ بے روزگاری کم کی جائے، ریاستی اداروں میں ہم آہنگی لائی جائے، کشیدگی ختم کی جائے، یہ ان کی امیدیں ہیں وابستہ تھیں حکومت سے اور اپنی منتخب نمائندوں سے۔ بدقسمتی میری تمام اپیلوں، مفاہمت کی طرف اور میری اپیلوں کہ پیچیدہ مسائل کو حل کیا جائے، ماضی کو چھوڑ کر مستقبل کو دیکھا جائے اور اس کے بارے میں سوچا جائے اور تمام کوششیں، طاقتیں پیچیدہ مسائل پر لگا کر ان پر صرف کی جائیں لیکن میرے خیال میں بڑے افسوس کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ میری یہ تمام کوششیں ناکامیاب ہوئیں۔ کچھ عناصر ایسے تھے جو معیشت اور اکانومی کے ساتھ دہشت گردی کے ساتھ سیاست کھیل رہے ہیں۔ نقصان پاکستان کا ہے، نقصان پاکستان کی عوام کا ہے۔ مفاہمت کی بجائے تصادم کی فضاء شروع ہوگئی، ایک انتقام میں بدلہ لینے کے بہانے مجھ پر الزام لگایا گیا کہ ایوان صدر سے سازشیں ہوتی ہیں یہ بالکل بے بنیاد الزام حقائق کے بالکل برعکس اور منافی ہے۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے تو آپ یہ دیکھیں کہ شفاف اور صاف انتخابات 18 فروری کو ہوئے جس میں تمام جماعتوں اور لوگوں نے شرکت کی، حصہ لیا اور اس میں تمام لوگوں کی شمولیت میں نے ہم نے ممکن بنائی۔ اگر کوئی سازش ہوتی تو ہم یہ کیوں کرتے؟ کیوں فیئر کرتے؟ کیوں سب کو انتخابات میں

حصہ لینے دیتے؟

وزیراعظم کے انتخاب کو دیکھیں بلا مقابلہ کیسے انتخاب ہوگیا۔ اپوزیشن نے بھی، سندھ اسمبلی کی کوششوں کو دیکھیں، ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی کی اور دیگر تمام جماعتوں کی، بلوچستان کو دیکھیں یہ تمام کلچر آف ڈی سینسی دیکھیں اپوزیشن کی طرف سے، صحت مند اپوزیشن اسمبلی میں، اس میں بجٹ میں بھی پاس ہوگیا اپوزیشن نے اس کی حمایت کی، یہ تمام کیسے ممکن ہوئے؟ اگر میں سازشیں کر رہا ہوں حکومت کے خلاف اور افراد کے خلاف، میں نے عوام کے سامنے اپنی حمایت کا حکومت کیلئے اعلان کیا، وزیراعظم کیلئے حمایت کا اعلان کیا اور میں نے یہ تک کیا ہے کہ ان آٹھ سالوں میں میرا جو بھی تجربہ ہے وہ حکومت کو دینے کیلئے تیار ہوں، میری کوشش رہی ہے کہ کوئی سرمایہ ہے، میرے اندر کوئی قابلیت ہے تو وہ میں حکومت کے حوالے کروں تاکہ جو پیچیدہ مسائل ہیں چیلنجز ہیں، بحران ہے، اس کی طرف میری کوشش ہو جائے حکومت کے ساتھ لیکن بدقسمتی سے اتحادی حکومت نے یہی سمجھا کہ میں ایک مسئلہ ہوں، حل نہیں۔

اب یہ میرا مواخذہ کرنا چاہتے ہیں کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ کیا یہ میرے آئینی حق سے خوفزدہ ہیں، یہ آئینی حق ہے مجھے بہت سے چیزوں کا، کیا یہ اپنے موجودہ اور آئندہ کی غلطیاں چھپانا چاہتے ہیں کیا یہی ان کا مقصد ہے؟

میری بہنوں اور بھائیو!

مواخذہ اور چارج شیٹ دینا پارلیمنٹ کا حق ہے اور اس کا جواب دینا میرا بھی حق ہے، مجھے اپنے آپ پر یقین ہے اور ا؟ تعالیٰ پر بھروسہ ہے کہ کوئی بھی چارج شیٹ میرے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتی، کوئی ایک الزام بھی میرے خلاف ثابت نہیں ہوسکتا۔ مجھے اتنا اپنے آپ پر بھروسہ ہے کیونکہ میں نے اپنی ذات کیلئے کبھی کچھ نہیں کیا جو کچھ میں نے کیا وہ پاکستان کو فرسٹ، سب سے پہلے پاکستان، اس نظریے اور سوچ اور انداز کے ساتھ کیا۔ عوام خاص طور پر غریب عوام ان کا درد ہمیشہ دل میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

رکھا۔ ہر فیصلہ مشاورت سے کیا۔ تمام فریقین کو ساتھ ملا کر کیا۔ ہر فیصلے میں پیچیدہ ترین فیصلہ، خطرناک ترین فیصلہ اس میں پورے اعتماد کے ساتھ عوام کو کہتا ہوں کہ تمام فریقین کو اعتماد میں لیا اور یہ بات میری سنیں اور مانیں۔

وہ ''سٹیک ہولڈرز'' فوجی ہوں، فوجیوں کو ہمیشہ اعتماد میں لیا۔ سیاستدان ہوں، سیاستدانوں کو اعتماد میں لیا۔ بیوروکریٹس، سول سرونٹس ہوں ان کو اعتماد میں لیا۔ سول سوسائٹی کے ارکان کو اعتماد میں لیا، بلاکران سے مشورہ کیا، علماء□ کو اعتماد میں لیا جس بھی معاملے میں ان کا تعلق تھا تو تمام فریقین کو جو بھی معاملے سے متعلقہ تھے ان سے ہمیشہ مشاورت کی اور پھر فیصلوں پر پہنچے تو مجھے پورا یقین ہے کہ یہ جو چارج شیٹ ہے اس کی مجھے کوئی فکر نہیں ہے کیونکہ کوئی ایک بھی الزام میرے خلاف ثابت نہیں کیا جاسکتا؟ تعالیٰ کے فضل و کرم سے۔ کن سوال یہاں یہ اٹھتا ہے کہ مواخذہ کے اس معاملے کو ایک ذاتی انا کا مسئلہ بنایا جائے، اس کا ملک پر کیا اثر ہوگا، یہ سوال آتا ہے، یہ دو سوال اٹھتے ہیں میرے ذہن میں، کیا ملک مزید عدم استحکام، غیر یقینی برداشت کرسکتا ہے؟ کیا ملک مزید تصادم کی فضاء□ سہ سکتا ہے، کیا ملک کی معیشت اور زیادہ مزید دباؤ برداشت کرسکتی ہے، کیا یہ صحیح ہوگا کہ صدر کا آفس قوم کی وحدت کی علامت ہے۔ اس کو مواخذے کے عمل سے گزارا جائے کیا یہ صحیح ہوگا، کیا یہ دانشمندانہ اقدام ہوگا، مجھے کچھ سال چند دنوں سے یہ سوالات میرے ذہن میں گھوم رہے ہیں اور میں سوچتا ہوں کی یہ شخصی مفاد میں بہادری دکھانے کا وقت نہیں۔ سنجیدگی کا وقت ہے۔ سنجیدگی سے سوچنے کا وقت ہے، مواخذے میں میں جیتوں یا ہاروں، قوم کی ہر صورت میں شکست ہوگی۔ ملک کی آبرو عزت پر ٹھیس آئے گی۔ صدر کا دفتر صدر کے دفتر کے وقار کو میری نظر میں بھی ٹھیس آسکتی ہے۔

پاکستان میرا عشق ہے، پہلے بھی اور اب بھی اس ملک کیلئے اس قوم کیلئے جان حاضر رہی۔ 44 سال میں نے جان کو داؤ پر لگا کر پاکستان اور اس کی قوم کی حفاظت کی ہے اور کرتا رہوں گا۔ کچھ اور بھی خیال میں آتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بعض اوقات سوچتا ہوں کہ ملک جس بحران سے گزر رہا ہے میں کچھ کروں، اس ملک کو اس بحران سے نکالوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اس بحران سے ملک کو نکالا جاسکتا ہے، اس میں صلاحیت ہے، اس کی عوام میں صلاحیت ہے اور اس کو اس بحران سے نکالا جاسکتا ہے۔ بعض دفعہ سوچتا ہوں کہ میں کچھ کروں کہ اس بحران سے اس ملک کو نکالوں، بعض دفعہ یہ بھی سوچتا ہوں کہ کچھ ایسی چیز بھی نہ کروں جس میں کہ غیر یقینی کی فضا اور لمبی ہو جائے یہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ پارلیمنٹ کو ہارس ٹریڈنگ سے بچانے کا خیال بھی میرے ذہن میں آتا ہے کیوں اپنے ساتھیوں کو ایک مشکل امتحان میں ڈالوں، اس کا بھی خیال میرے ذہن میں آتا ہے۔

مواخذہ اگر ناکام ہو بھی جائے میری نظر میں حکومت کے تعلقات ایوان صدر سے کبھی ٹھیک نہیں ہونگے، کشیدگی رہے گی۔ ملکی اداروں میں کشیدگی رہے گی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ریاستی ستونوں میں یعنی پارلیمنٹ اور عدلیہ میں کشیدگی ہو جائے، اختلافات ہو جائیں اور خدانخواستہ فوج بھی اس معاملے میں نہ گھسیٹی جائے جو کہ میں کبھی نہیں چاہوں گا لہٰذا اس تمام صورتحال کا جائزہ لے کر اپنے قانونی مشیروں سے، قریبی سیاسی حمایتیوں سے مشاورت کر کے اور ان کی ایڈوائس لے کر ملک اور قوم کی خاطر میں آج عہدے سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کرتا ہوں۔ میرا استعفیٰ آج سپیکر قومی اسمبلی کے پاس پہنچ جائے گا، مجھے کسی سے کچھ نہیں چاہیے، کوئی غرض نہیں ہے، میں اپنے مستقبل کو قوم اور عوام کے ہاتھوں میں چھوڑتا ہوں، انہیں فیصلہ کرنے دیں اور انہیں انصاف کرنے دیں۔

میں اس اطمینان اور تسلی کے ساتھ جا رہا ہوں کہ میں جو کچھ بھی اس ملک، اس قوم، عوام کے لئے کر سکتا تھا وہ میں نے دیانتداری، ایمانداری کے ساتھ کیا، ہر کچھ وہ کیا ایمانداری اور دیانتداری سے لیکن میں بھی انسان ہوں، ہوسکتا ہے کوتاہیاں سرزد ہوئی ہوں، مجھے امید ہے کہ قوم اور عوام ان کوتاہیوں سے درگزر کریں گے، اس یقین کے ساتھ کہ میری نیت ہمیشہ صاف رہی، میری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا،

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کوئی کوتاہی ہوئی ہوگی تو وہ غیر ارادی طور پر ہوئی ہوگی۔

مجھے آج جبکہ یہ تسلی ہے اور اطمینان ہے، مجھے رنج اور پریشانی یہ ضرور ہے کہ پاکستان تیزی سے پیچھے کی طرف جاتا ہوا نظر آرہا ہے، غریب عوام پسا جارہا ہے، اس کا مجھے دلی رنج، پریشانی ہے۔ مجھے امید ہے کہ حکومت ان کو ان پریشانیوں سے نجات دلانے کی طرف پوری کوشش کرے گی۔ میری دعا ہے کہ حکومت اس تنزلی کو روکے اور اس بحران سے کامیابی سے اس ملک کو اور اس ملک کے عوام کو چھٹکارہ دلائے۔

مجھے آج انتہائی خوشی ہے کہ آج میں ایک متحرک اور فعال میڈیا چھوڑ کے جارہا ہوں، مجھے امید ہے کہ جس طریقے سے یہ آزادی چل رہی ہے اتنی ہی ذمہ داری کے ساتھ آئندہ بھی اپنا کردار ادا کریں گے۔ میرے بہت سے حمایتی اور خیر خواہ اور کچھ آراء پر مشتمل سروے بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ تقریباً 80,85 فیصد لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مجھے رہنا چاہیے۔ میرے حمایتیوں کو ہوسکتا ہے کہ توقع کسی اور فیصلے کی ہو اور ہاں میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بہت میرے حمایتی اور خیر خواہ مجھے کچھ اور راہ کی طرف کہہ رہے تھے۔ میں صرف ان سے یہ کہوں گا کہ میرے اس حقیقت پسندانہ فیصلے کو ملک وقوم کی خاطر قبول کریں۔ اگر ذاتی مفاد میں ہوتا تو میں ہوسکتا ہے کچھ اور کرتا لیکن جیسے میں نے کہا سب سے پہلے پاکستان، تو لہٰذا 'سب سے پہلے پاکستان' ہمیشہ رہے گا اور میرے خیال میں اس وقت کا تقاضا یہی ہے جو میں نے فیصلہ کیا ہے۔

تمام دلائل میں نے آپ کے سامنے کھل کر دل کی آواز آپ کے سامنے کھل کر آج بتا دی ہے۔ میری نظر میں پچھلے کچھ مہینوں سے ایک خلفشار میرے ذہن میں تھا، میرے دل میں تھا اس قوم کے لئے، قوم کی عوام کے لئے میرے دل میں ہو رہا تھا کہ کس طرف جارہے ہیں، کہاں ہم اونچائی کی طرف جارہے تھے، کہاں میں سوچ رہا تھا کہ یونیورسٹیاں کھل جائیں گی یہاں، بچے تعلیم اور بہترین تعلیم کی طرف

جائیں گے، عوام کی بہتری ہوگی، ان کی صحت بہتر ہوگی اور سماجی بہتری کی طرف جائیں گے، کہاں ہمیں اوپر جاتے ہوئے دنیا دیکھ رہی تھی اور اب ہم کہاں جارہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے بغیر بھی یہ قوم، یہ عوام اتنی طاقت کے ساتھ اٹھے گی جو طاقت اور صلاحیت اس ملک نے ہمیشہ دکھائی ہے چاہے 1947ء کی آزادی ہو جبکہ یہ سمجھا جارہا تھا کہ یہ ملک نہیں رہے گا لیکن یہ قوم اور عوام تھی، لوگ تھے، اس کی طاقت تھی، اس کی صلاحیت، ہمت، جرات تھی جو پاکستان کو آگے لے کر گئی۔ آج بھی وہی جرات، وہی ہمت چاہیے۔

مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم میں صلاحیت ہے، ہمارے پاس وسائل ہیں کہ ہم جو بھی مسائل ہیں، جو چیلنجز ہیں، جو بین الاقوامی فضا کی وجہ سے کا ہم مقابلہ کرسکتے ہیں۔ اس وقت بھی ہماری میکرو اکانومی ٹھیک ہے، نیچے بہت چلی گئی ہے لیکن یہ ریل جو پٹڑی سے اتری ہوئی ہے اس کو ہم واپس پٹڑی پر ڈال سکتے ہیں، مجھے پورا یقین ہے لیکن اگر ہم مفاہمت کی اس فضا میں نہ پڑے، تصادم کا شکار رہے، اس ملک کو دھوکہ دیتے رہے، عوام کو دھوکہ دیتے رہے تو ہم کچھ کر دکھانے میں ناکام ہوجائیں گے اور میرے خیال میں اس ملک کی قیادت کو عوام کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اس موقع پر میں افواج پاکستان، آرمی، نیوی، ایئر فورس کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں کہ جتنی انہوں نے مجھے محبت، مجھے احترام، عزت اور میرا کہا مانا، اپنائیت دی میں اس کو کبھی نہیں بھول سکوں گا اور جس دلیری سے جس بہادری سے، جس حب الوطنی سے افواج پاکستان نے ہمیشہ اس ملک کو بچایا، عوام اور لوگوں کی حفاظت کی، اس ملک کی حفاظت کی، اپنی جانوں کا نذرانہ، قربانیاں دی ہیں اس کے لئے تمام قوم اور میں افواج پاکستان کو سیلوٹ کرتے ہیں۔ امن وامان نافذ کرنے والے تمام ادارے، پولیس، سول آرمڈ فورسز جس دلیری اور بہادری سے دہشتگردی کا مقابلہ کرتے ہیں، اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہیں، قربانیاں دیتے ہیں، یہ بے مثال ہے، میں ان کو بھی خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں شکر گزار ہوں میرے تمام سیاسی اور غیر سیاسی رفقاء کا جنہوں نے مجھے دور صدارت یا حکومت چلانے میں مدد کی، میرا ساتھ دیا اور مشکل وقت میں ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔ میں ان کو کبھی بھلا نہ سکوں گا۔ میں تمام سول سرونٹس کو، بیوروکریٹس کا بھی شکر گزار ہوں، جن کے تعاون، جن کا کردار تمام حاصل کردہ اہداف میں حکومت کے نو سال میں، تعمیر وترقی میں وہ انتہائی لائق تحسین ہے، میں ان سب کا بھی شکر گزار ہوں۔ میرے اپنے ساتھی، میرا اسٹاف جس محنت اور وفاداری کے ساتھ میرا ساتھ دیا اور میرے کام کو آسان بنایا، میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور میں ان کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ پھر اس قوم، عوام، پاکستان کے عوام خاص طور پر غریب، انہوں نے بھی بے پناہ محبت مجھے دی اور اپنائیت دی، مجھے احترام دیا، مجھے پیار دیا، ان کو میں کبھی نہیں بھلا سکوں گا اور اس لئے بھی کہ میں بھی کیونکہ عوام میں سے ہوں۔ میں کسی اونچے خاندان سے نہیں آیا، کوئی آسمان سے زمین پر نہیں آیا ہوں، میں ایک مڈل کلاس آدمی ہوں اور مڈل کلاس سے ابھرا ہوں، میں اس عوام میں سے ہوں۔ اس لئے مجھے ان کے دکھ درد کا ہمیشہ احساس رہتا ہے اور مجھے مشکلات، زندگی کی مشکلات اور ان کی تکلیفوں کا ہمیشہ احساس رہتا ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ میں عوام میں سے ہوں اور ان کا دکھ درد ہمیشہ میرے ساتھ رہتا ہے، میں ان کا شکر گزار ہوں، ان کی حمایت کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری ماں کی دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ رہیں اور مجھے میری اہلیہ اور بچوں کی ہمیشہ بھرپور حمایت حاصل رہی جو بلاشبہ میرے لئے ایک طاقت ہے، آج بھی ان کی یہ حمایت مجھے حاصل ہے۔ میری اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو اپنی حفاظت میں رکھے، اللہ تعالیٰ اس ملک کو سازشوں سے محفوظ رکھے، اللہ تعالیٰ عوام کی مشکلیں آسان کرے۔ میری جان ہمیشہ اس ملک، اس قوم کے لئے ہمیشہ حاضر رہے گی جیسے پہلے رہی تھی ویسے ہی اس کے بعد بھی رہے گی۔

پاکستان کا اللہ حامی وناصر ہو، پاکستان ہمیشہ پائندہ باد۔

پرویز مشرف کا استعفیٰ لوگوں کے لئے حیرانگی کا باعث بنا تھا اور وہ سوچ رہے تھے کہ آخری دم تک لڑنے والے کمانڈو کو آخر کس طرح مستعفی ہونے پر مجبور کیا گیا؟

حقیقت یہ ہے کہ مشرف مواخذے کی تحریک کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن فوج کی طرف سے انہیں یہ باور کرایا گیا کہ حساس ایشوز پر حکمران اتحاد اور ایوان صدر کی جانب سے معلومات کا افشاء ملکی سلامتی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ اس لئے قومی مفاد اور مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ افہام وتفہیم سے معاملہ حل کیا جائے۔ اس بارے میں پرویز مشرف اور آرمی چیف جنرل اشفاق کیانی میں تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ جنرل کیانی کے دباؤ کے باعث مشرف بالاآخر رضامند ہو گئے۔ اس دوران پیپلز پارٹی کی طرف سے انہیں یقین دلایا گیا کہ ان کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں ہوگی۔ جس وقت یہ ''بریک تھرو'' ہوا، اس دوران سعودی عرب کے شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے بھی پرویز مشرف کو پیغام بھیجا کہ فی الوقت مصلحت اسی میں ہے کہ پاکستان کو محاذ آرائی سے بچایا جائے۔ انہوں نے اپنے انٹیلی جنس چیف کو بھی پاکستان بھیجا جنہوں نے پرویز مشرف سمیت پیپلز پارٹی کے لیڈروں سے ملاقاتیں کیں اور صورتحال کو سلجھانے میں اپنا کردار ادا کیا۔

وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے صدر مشرف کے استعفے کے بعد قومی اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج سے اپوزیشن اور حکومت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جمہوریت کو مستحکم کریں۔ اب آمریت کا خاتمہ ہوگیا ہے لیکن ہم پر بہت بڑی ذمہ داری پڑ گئی ہے۔ آپ نے یہ ثابت کرنا ہے کہ آیا اس ملک میں جمہوریت کامیاب ہوسکتی ہے یا آمریت کامیاب ہوسکتی ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ آمریت جتنی بھی بہتر ہو جمہوریت سے بہتر نہیں ہوسکتی۔' انہوں نے کہا کہ وہ سترھویں ترمیم اور اٹھاون ٹو بی کو نہ پہلے قبول کرتے تھے اور نہ اب کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم پہلے بھی کہتے تھے کہ صدر اور پارلیمان کے درمیان توازن ہونا چاہیے۔

امریکی وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس نے پاکستان کے سابق صدر پرویز مشرف کے استعفے پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ امریکہ کے دوست رہے ہیں۔ امریکہ پاکستان کی سیاسی قیادت کے ساتھ کام کرتا رہے گا، جسے اپنے ملک کی فوری ضروریات پر توجہ دینے کی ضرورت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے، جن میں بڑھتی ہوئی انتہاپسندی کو روکنا بھی شامل ہے۔

برطانوی حکومت نے کہا کہ دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے اقدامات، انڈیا کے ساتھ مذاکرات اور کرپشن کے خاتمے میں سابق صدر مشرف نے کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ برطانوی وزیراعظم گورڈن براؤن کے ترجمان نے کہا کہ پرویز مشرف کے دورِاقتدار میں دونوں ملکوں کے تعلقات مضبوط ہوئے۔ 'ہم ان کے لیے اچھے مستقبل کے خواہاں ہیں۔ برطانیہ اور پاکستان کے تعلقات کا انحصار شخصیات پر نہیں۔ وہ ایسے اقدامات کی حمایت کرتے ہیں جن سے ملک میں جمہوریت مضبوط ہو اور قانون کی بالادستی قائم ہو۔

افغانستان کے وزیر خارجہ نے کہا کہ اس استعفے سے پاکستان میں جمہوریت مضبوط ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان ایسا پاکستان چاہتا ہے جہاں قانون کی بالادستی ہو۔

انڈیا نے جنرل (ر) پرویز مشرف کے استعفے کو پاکستان کا اندرونی معاملہ قرار دیا اور کوئی رد عمل نہیں دیا۔ انڈیا نے کہا کہ وہ ایک مستحکم پاکستان کا خواہاں ہے۔

تحریک طالبان پاکستان نے صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کی طرف سے اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ سابق صدر پر قبائلی علاقوں میں معصوم لوگوں کو قتل عام کرنے پر مقدمہ قائم کیا جائے اور قبائلی علاقوں میں رائج ان کی تمام پالیسیوں کو فوری طور پر ختم کر دیا جائے جبکہ طالبان ملک میں اپنی تمام تر کاروائیوں بند کرنے کیلئے تیار ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری نے کہا ہے کہ ملک کا صدارتی امیدوار پاکستان پیپلز پارٹی میں سے ہوگا۔ صدر پرویز مشرف کے استعفے کے بعد جمہوریت کی راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ ہٹ گئی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما رضا ربانی نے کہا کہ صدر مشرف کا استعفیٰ جمہوریت اور عوام کی فتح ہے۔ نئے صدر کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اس کا فیصلہ اتحادی جماعتیں مل کر کریں گی۔

صدر پرویز مشرف نے آخری تقریر میں بھی اپنی کارکردگی کی بھڑکیں ماریں۔ ان کا زیادہ تر زور اس بات پر رہا کہ ان کے دور میں معاشی ترقی کے لیے کیا کوششیں ہوئیں۔ لیکن بعض اہم

موضوعات ان کے خطاب سے یکسر غائب تھے۔ مثلاً گزشتہ برس نو مارچ کے بعد عدلیہ کے سلسلے میں انہیں انتہائی اقدامات کیوں کرنے پڑے اور نومبر میں ایمرجنسی لگانے کا جواز کیا تھا۔ اس بارے میں انکی تقریر میں ایک لفظ نہیں تھا۔ حالانکہ یہی دو اقدامات تھے جو بالآخر ان کے زوال کا سبب بنیاسی طرح مشرف حکومت نو برس تک یہ کریڈٹ لیتی رہی کہ وہ دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں ایک بنیادی کردار ادا کرتی رہی ہے۔ لیکن نہ تو صدر مشرف نے اس بنیادی کردار کا کوئی حوالہ دیا اور نہ ہی اس کردار کے نتیجے میں اندرونِ ملک بالخصوص قبائلی علاقوں میں طالبان تحریک کے فروغ یا دہشت گردی کی مسلسل لہر کی روک تھام کے لیے اپنی کامیابی یا ناکامی کے بارے میں بات کی۔ بس اتنا کہا کہ نائن الیون کے بعد دہشت گردی نے ایک نیا رخ اختیار کرلیا ہے جسے روکنے کے لیے لوگوں کو عسکری اداروں کا ساتھ دینا چاہیے۔ لال مسجد کی کارروائی پر مشرف حکومت پر آج تک انگلیاں اٹھ رہی ہیں۔ اور اس کارروائی کے بعد دہشت گردی کی لہر مزید پھیلی۔ لیکن ایک گھنٹے کے خطاب میں اس بارے میں کوئی حوالہ نہیں ملتا صدر مشرف پر گزشتہ ہفتے آصف علی زرداری نے یہ الزام لگایا تھا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی مد میں پاکستان کو اربوں ڈالر کی جو امداد ملی ہے اس میں سے بیشتر رقم کا کوئی حساب کتاب نہیں ہے جبکہ فوج کو اس امداد میں سے صرف پچاس کروڑ ڈالر کے لگ بھگ ملے۔ اسی طرح زلزلہ زدگان کی امداد کے لیے جو چھ ارب ڈالر سے زائد موصول ہوئے ان کے خرچ کے بارے میں بھی وقتاً فوقتاً انگلیاں اٹھائی جاتی رہی ہیں۔ صدر مشرف اس بارے میں اپنی وضاحت پیش کر سکتے تھے لیکن وہ اس موضوع پر نہیں آئے۔ جب پرویز مشرف اقتدار میں آئے تو انہوں نے نعرہ لگایا تھا کہ وہ صوبائی ہم آہنگی اور فیڈریشن کے استحکام کے لیے ترجیحاتی کوششیں کریں گے۔ تاہم وفاق کا ایک یونٹ بلوچستان ان کے پورے دور میں بدامنی کا شکار رہا اور اکبر بگٹی کی ہلاکت کا بھی واقعہ ہوا۔ سینکڑوں لوگ لاپتہ ہو گئے اور ہزاروں نے نقل مکانی کی۔ تاہم صدر مشرف نے اپنی الوداعی تقریر میں بلوچستان کے تعلق سے صرف یہ جملہ کہا کہ ہم نے کراچی سے گوادر تک کوسٹل ہائی وے بنوائی۔ ایٹمی سائنسداں ڈاکٹر قدیر اور انکے نیٹ ورک کے بارے میں صدر مشرف اکثر یہ کہتے تھے کہ اس نیٹ ورک کے خلاف کارروائی کر کے انہوں نے پاکستان کو عالمی دباؤ سے بچائے رکھا۔ لیکن آج کی تقریر میں اس کامیابی کا تذکرہ نہیں تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صدر مشرف اپنے پورے دور میں مسلسل یہ کریڈٹ لیتے رہے کہ پاک بھارت تعلقات ان کے دور میں جتنے بہتر ہوئے پچھلے کسی دور میں ایسی مثال نہیں ملتی۔ تاہم انہوں نے اپنی اس کامیابی کا تذکرہ کرنے سے بھی گریز کیا اور بس یہ جملہ کہا کہ دو ہزار ایک میں انہوں نے وہ بحران کامیابی سے ٹالا جو سرحدوں پر بھارتی فوج کے دس ماہ کے اجتماع کے سبب پیدا ہوا تھا۔ انہوں نے بلدیاتی نظام کے تجربے کا تو کریڈٹ لیا اور یہ بھی کہا کہ جو بھی اس نظام کو نقصان پہنچائے گا وہ دراصل ملک کو نقصان پہنچائے گا تاہم انہوں نے شوکت عزیز سمیت اپنے کسی بھی وزیر اعظم کو کوئی کریڈٹ دینے سے گریز کیا اور نہ ہی صدارتی ریفرینڈم یا دو ہزار دو کے انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والے متنازعہ جمہوری ڈھانچے کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ مشرف نے ماضیِ قریب کی ہر تقریر یا پریس کانفرنس کے برعکس یہ حوالہ بھی نہیں دیا کہ وہ ایک ایسے صدر ہیں جنہیں سابقہ پارلیمنٹ نے پانچ برس کی دوسری مدت کے لیے چنا تھا۔ کرپشن میں کمی کا انہوں نے سرسری تذکرہ کیا لیکن این آر او کے حق میں یا خلاف ایک بات بھی نہیں کی۔ بلکہ وہ نئے حکمرانوں کو یہ دعا دے کر رخصت ہوئے کہ وہ ملک کی ڈوبتی کشتی کو بچا سکیں۔

صدر پرویز مشرف کے استعفیٰ کی خبر ملک بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ سیاسی کارکن اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد سڑکوں پر نکل آئے اور پرویز مشرف کے خلاف نعرے بازی شروع کر دی۔ اس طرح کی نعرے بازی 12 اکتوبر 1999 کو نواز شریف حکومت کے خاتمے پر بھی کی گئی تھی۔ مختلف مقامات پر مٹھائیاں بھی تقسیم کی گئیں۔ سیاسی جماعتوں نے مشرف کے استعفیٰ کو پاکستان میں آمریت کے خاتمے، جمہوریت کی بالادستی اور ملکی استحکام کا ضامن قرار دیا۔

جنرل (ر) پرویز مشرف رخصت ہو چکے اور سیاسی جماعتوں کی آمریت کے خلاف جدو جہد آٹھ سال دس ماہ اور چھ دن بعد رنگ لائی، تاہم مشرف کو ایوان صدر سے نکالنے والے نہیں جانتے کہ اب حکومت کا ایک نیا اور کٹھن امتحان شروع ہو چکا ہے۔

مشرف کی کرپشن کی کہانی، حقائق کی زبانی

پاکستان میں جرنیلوں کے ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ بات عام کہی جاتی ہے کہ جس طرح زندہ ہاتھی لاکھ کا اور مرا ہوا ہاتھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے، کچھ اسی طرح کی مثال ریٹائرڈ جرنیلوں کے بارے میں دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ ریٹائرڈ جرنیل زیادہ فوائد اٹھاتے ہیں۔ یہی حال پرویز مشرف کا بھی ہے۔

صدر پرویز مشرف کے دور اقتدار پر اگر ایک نظر دوڑائی جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ کس طرح آٹھ سال دس ماہ اور چھ دن تک بلا شرکت غیرے فوجی وردی کے رعب و دبدبے میں اپنی ''سٹک'' ہلاتے ہوئے اپنے احکامات پر عمل کرواتے رہے۔ جتنا عرصہ انہوں نے حکمرانی کی، اتنا عرصہ ان کے ہر فیصلے پر ''جی حضور'' کی ہی آواز آتی تھی۔ مشرف ''ہاں'' کہتے تو سب ''ہاں'' کہتے اور وہ ''ناں'' کہتے تو سب ''ناں'' کہتے۔ وہ کسی تقریب میں بیٹھتے تو انہیں خوش کرنے کے لئے سی بی آر کے چیئر مین بھی گھنگروؤں کے بغیر طبلے کی آواز پر ناچنے لگتے، کسی مدرسہ پر بم گرانا ہو یا سڑکوں پر نیکر پہن کر خواتین کی دوڑ لگوانی ہو، پرویز مشرف کو کوئی روکنے اور ٹوکنے والا نہیں تھا۔

جنرل مشرف نے 1999 میں منتخب حکومت کے خلاف اپنی بغاوت کو یہ کہہ کر جواز فراہم کیا تھا کہ حکومت میں کرپشن عروج پر ہے اور حکومتی خزانہ دن بدن خالی ہوتا جا رہا تھا۔ اس لیے حکومت کا تختہ الٹنا ضروری تھا۔ برسر اقتدار آنے کے بعد مشرف نے کہا تھا کہ وہ حکومتی خزانہ لوٹنے والوں کو زبردست سزائیں دیں گے۔ کرپٹ حکمراں قانون کے ہاتھوں سے محفوظ نہیں رہ سکیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گے اور عوامی خزانہ لوٹنے والے سیاستدانوں کو عدالت کے کٹہرے میں لایا جائے گا اور پھر سے حکومتی خزانہ کی پائی پائی وصول کی جائے گی۔ مشرف کی جانب سے اس قسم کے بے شمار وعدے کیئے گئے لیکن عمل ندارد۔ بڑے بڑے کرپٹ حکمرانوں پر دھاوے بولنے کے بجائے بعض غیر اہم لوگوں کو گرفتار کیا گیا اور قومی احتساب کے ذریعہ ان سے دولت لے کر حکومتی خزانے میں جمع کروائی گئی۔ لیکن 2002ء کے پارلیمانی انتخابات کے بعد قومی احتساب کمیشن نے کچھ اور شکل اختیار کرلی۔ مشرف نے مختلف سیاسی پارٹیوں سے وابستہ قائدین کو اپنے پرچم تلے جمع کیا تاکہ وہ مشرف کی حمایت کرسکیں۔ اس کے بعد کرپٹ حکمرانوں سے غبن شدہ دولت کے حصول کے سارے دعوے کھوکھلے ثابت ہوئے۔

جنرل پرویز مشرف نے جب اقتدار سنبھالنے کے بعد پاکستانی عوام سے ملک کی بہتری اور معیشت مضبوط بنانے کیلیئے ٹیکس پورا اور بروقت ادا کرنے کی اپیل کی تو اس پر بہت سے لوگوں کو تعجب ہوا۔ کیونکہ ٹیکس ادا کرنے کے حوالے سے خوان کا ریکارڈ درست نہیں تھا۔ اس حوالے سے ان کے دامن پر کئی داغ ہیں۔ عوام سے ٹیکس ادا کرنے کی اپیل کرتے ہوئے وہ یہ بھول گئے کہ خود انہوں نے کتنا ٹیکس ادا کیا؟

یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ دوسری کو ٹیکس ادا کرنے کی تلقین کرنے والے ملک کے سربراہ مملکت نے اپنی کروڑوں کی جائیداد کے باوجود گزشتہ چھ سال میں صرف 710 روپے (12 ڈالر) دولت ٹیکس ادا کیا تھا۔ جنرل مشرف کے ٹیکس ادا کرنے کا یہ رویہ ان کے اس عمومی تاثر کی نفی کرتا تھا جس کے تحت قوم سے ٹیکس ادا کرنے کی اپیل کرتے ہوئے بظاہر ان کی تصویر ملک کے لئے بڑا درومندول روکھنے والے ایماندار سربراہ مملکت کی حیثیت سے سامنے آتی تھی۔

جنرل مشرف کے کردار کے کئی اور بھی پہلو ایسے تھے جو ان کے مجموعی تاثر کی نفی کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ان کی ظاہر کردہ جائیداد کی مالیت کروڑوں میں تھی لیکن اپنے ٹیکس گوشواروں میں انہوں نے اس کی مالیت صرف ایک کروڑ روپے ظاہر کی۔ حالانکہ کراچی، راولپنڈی، پشاور، اسلام آباد، اور گوادر میں موجود رہائشی پلاٹ اور بنگلوں میں سے ہر ایک کی مالیت ہی کروڑوں میں ہے جبکہ زرعی اراضی اس کے علاوہ ہے۔

ٹیکس دستاویزات کے مطابق جنرل مشرف نے 95-1994 میں ایک لاکھ 46 ہزار 6 سو 29 روپے آمدنی ظاہر کی جبکہ سی بی آر کے ذرائع کے مطابق اس وقت ان کی آمدنی ایک لاکھ 51 ہزار ایک سو 89 روپے تھی۔ اس آمدنی کے حساب سے ان کے ذمہ ٹیکس 16 ہزار 2 سو 61 روپے بنتا تھا جو معمول کے مطابق ان کی تنخواہ میں سے کاٹ لیا گیا۔ 96-1995 میں انہوں نے ایک لاکھ 97 ہزار 3 سو 58 روپے آمدنی پر 24 ہزار 4 سو 72 روپے ٹیکس ادا کیا۔ 97-1996ء میں 2 لاکھ 5 ہزار 9 سو 76 روپے آمدنی پر 24 ہزار 6 سو 84 اور 98-1997 میں دو لاکھ 13 ہزار 4 سو 17 روپے آمدنی پر 31 ہزار 9 سو 27 روپے ٹیکس ادا کیا۔ یہاں تک تو صورتحال ٹھیک ہے۔ لیکن اگلے ہی سال جب جنرل مشرف اچانک اپنے سنئیر جرنیلوں کو ''سپر سیڈ'' کر کے آرمی چیف بن گئے تو ان کے ٹیکس کے معاملات نے بھی اچانک پلٹا کھایا۔ 1999ء میں انہوں نے اپنی آمدنی 2 لاکھ 22 ہزار 46 روپے ظاہر کی جبکہ بعض ذرائع کے مطابق اس وقت ان کی سالانہ آمدنی 2 لاکھ 26 ہزار 8 سو 46 روپے تھی۔ اس آمدنی پر انہوں نے جو ٹیکس ادا کیا وہ صرف 18 ہزار ایک میں 13 ہزار 7 سو 47 روپے کم تھا۔ ہوتا تو یہ چاہئے کہ آمدنی میں اضافے کیس اتھ ہی ان کی ٹیکس کی شروح بھی بڑھتی لیکن یہ شاید آرمی چیف کے عہدے کی ''کرامت'' تھی کہ گزشتہ سال کے مقابلے میں زیادہ آمدنی کے باوجود ان کے ٹیکس کی رقم کم ہوگئی جو بڑی حیران کن بات ہے۔

2000-1999ء میں جنرل مشرف کی ظاہر کردہ آمدنی 2 لاکھ 52 ہزار 6 سو 70 روپے تھی لیکن اس سال انہوں نے کوئی ٹیکس ادا نہیں کیا۔ 2000ء کے بعد کی ظاہر کردہ آمدنی اور ٹیکس کی تفصیلات دستاویزات میں درج نہیں ہیں۔

جنرل مشرف کی جائیداد پر دولت ٹیکس کی کہانی اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ اکتوبر 1999ء کے فجی انقلاب کے بعد انہوں نے اپنے اثاثوں کا اعلان کیا تو ان کی جائیداد کی یہ تفصیل سامنے آئی۔

آرمی ہاؤسنگ سکیم کراچی میں زیر تعمیر کوٹھی،

دو ہزار رسکوائرفٹ کا ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی میں پلاٹ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مورگہ ہاؤسنگ سکیم راولپنڈی میں 2 کنال کا پلاٹ

آرمی ویلفیئر ٹرسٹ ہاؤسنگ سکیم پشاور میں ایک کنال کا پلاٹ

لاہور میں ایل سی سی ہاؤسنگ سکیم میں 8 مرلہ کا پلاٹ

بہاولپور میں زرعی اراضی

اسکے علاوہ اسلام آباد کے سیکٹر ایف 7/3 میں والدین کا مکان، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی میں بیٹی کا گھر، ایک کنال کا پلاٹ سکیم میں اور سانگھر ہاؤسنگ سکیم گوادر میں 2 کنال کا پلاٹ اسکے علاوہ۔ 1998-99 میں جنرل مشرف نے اپنی اس تمام جائیداد کی مالیت 9 لاکھ 47 ہزار روپے ظاہر کی۔ جنرل مشرف کے کراچی، راولپنڈی، لاہور، پشاور، بہاولپور اور گوادر میں پلاٹ اور اراضی کی 10 لاکھ سے بھی کم مالیت بڑی حیران کن ہے۔ تعمیراتی ماہرین کے مطابق جنرل مشرف کے کراچی والے پلاٹ کی کم سے کم مالیت 2 کروڑ روپے ہے۔ راولپنڈی میں پلاٹ کی مالیت 50 لاکھ پشاور میں موجودہ پلاٹ کی مالیت 20 سے 30 لاکھ روپے ہے جبکہ دیگر پلاٹوں ،اور اراضی کی مالیت بھی مارکیٹ ریٹ کے مطابق 3 کروڑ زیادہ ہی ہے۔ راولپنڈی میں ان کے مکان کی مالیت بھی ایک کروڑ سے زیادہ ہی ہوگی۔ کیش رقم اور بنک اکاؤنٹس میں موجود رقم اس کے علاوہ ہے۔

جنرل مشرف نے نومبر 1999 میں اپنے اثاثے ظاہر کرتے وقت یہ دعوی کیا تھا کہ وہ ہر قسم کے ٹیکس ادا کرتے ہیں جن میں دولت ٹیکس بھی شامل ہے۔ لیکن دستاویز ظاہر کرتی ہیں کہ 1994-95 سے 1998-99 تک انہوں نے دولت ٹیکس ادا ہی نہیں کیا۔ یہ دستاویز ان کے دعوی کی نفی کرتی ہے۔ دستاویز کے مطابق 1994-95 میں جنرل مشرف نے 7 لاکھ 77 ہزار کے اثاثے ظاہر کیے۔ 1995-96 میں اثاثے کم ہوئے اور اس سال انہوں نے 5 لاکھ 97 ہزار کی جائیداد ظاہر کی۔ 1996-97 میں ان اثاثوں میں اضافہ ہوا اور اسکی مالیت 9 لاکھ 75 ہزار تک پہنچ گئی۔ 1997-98 میں اس اثاثوں کی مالیت کم ہو کر 9 لاکھ 47 ہزار اور 1998-99 میں بڑھ کر 11 لاکھ 29 ہزار تک پہنچ گئی۔ 1999-2000 میں ان کے ظاہر کردہ اثاثوں کی مالیت 11 لاکھ 29 ہزار روپے تھی۔ اس سال انہوں نے صرف

710 روپے دولت ٹیکس ادا کیا۔

دفاعی تجزیہ نگار ڈاکٹر عائشہ صدیقہ کے مطابق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ چالیس سے پینتالیس کروڑ یا اس سے بھی کچھ زیادہ کی جائیداد کے مالک ہیں۔ انہیں گھر جاتے وقت بھی خالی ہاتھ نہیں بھیجا گیا۔ پینشن تو خیر کوئی خاص مراعات میں سے نہیں۔ یہ تو ہر سول اور فوجی ملازم کو ملتی ہے۔ پاکستان حکومت ہر سال کوئی پینتیس رب روپے فوجی پینشن کی مد میں خرچ کرتی ہے اور اس کا بڑا حصہ بڑے افسران کے کھاتے میں جاتا ہے کیوں کہ وہ ہی سب سے زیادہ وقت فوج میں گزارتے ہیں جبکہ فوج کا ایک بڑا حصہ کپتان یا میجر تک پہنچتے پہنچتے ریٹائر ہو جاتا ہے۔ سب سے زیادہ سروس جرنیل کی ہوتی ہے، خاص طور پر اس جرنیل کی جو حکومت پر حکمراں ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر عائشہ صدیقہ کے مطابق پرویز مشرف ریٹائرمنٹ کے بعد تقریباً تیس لاکھ روپے نقد لے کر گئے اور ان کی ماہانہ پینشن بھی کوئی پینتالیس یا پچاس ہزار کے لگ بھگ بنتی ہے۔ پینشن کی رقم کا زیادہ دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ افسر نے کتنے سال سروس میں گزارے۔ اس کے علاوہ ریٹائر ہونے والے ہر چیف کو ایک بڑی گاڑی درآمد کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ تمام پرانے سروسز چیفس کے پاس ایک مرسیڈ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تین یا چار ملازم جو تا حیات ان کے ساتھ رہتے ہیں اور جن کی تنخواہ اور کھانا بھی حکومت دیتی ہے۔ اس کے علاوہ فوجی کلبوں کی ممبر شپ، مفت علاج اور ایک گھر اس شہر میں جہاں وہ رہنا چاہیں، ملتا ہے۔ قصہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ ہر فوجی افسر کو ملازمت کے کچھ عرصے کے بعد کوئی نہ کوئی شہری یا زرعی جائیداد ملتی ہے۔ پہلی جائیداد پندرہ سال کی سروس کے بعد، دوسری پچیس سال، تیسری اٹھائیس سال اور آخری تینتیس سال کی سروس کے بعد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف ہاؤسنگ سکیموں میں بھی انہیں پلاٹ الاٹ کیئے جاتے ہیں۔

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ بھی پرویز مشرف کی کرپشن اور بے ضابطگیوں کو سامنے لانے کے لئے کافی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پرویز مشرف جب بحیثیت کیڈٹ سرکاری ملازمت میں آئے تو ان کے کل اثاثے تین ہزار کے لگ بھگ تھے۔ جبکہ اب وہ اربوں روپے کی جائیداد کے مالک ہیں۔ اس جائیداد کا بڑا حصہ وہ اپنی اولاد کو منتقل کر چکے ہیں۔ اس رپورٹ میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صرف ایک الاٹمنٹ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اسلام آباد میں پرویز مشرف کا ایک فارم الاٹ ہوا جو 69 لاکھ ڈالر کا تھا۔ پرویز مشرف نے اسے بیچ کر ایک کروڑ 34 لاکھ ڈالر کی جائیداد بنائی۔ ٹرانسپر یسی انٹرنیشنل نے سوال اٹھایا کہ کہ آخر وہ کون سا جادو ہے، جس کے ذریعے تین ہزار روپے سے ملازمت کا آغاز کرنے والا ایماندار سرکاری ملازم 30 برسوں میں ارب پتی ہو جاتا ہے؟

جنرل پرویز مشرف متعدد بار اس امر کا اظہار کیا کہ آنے والے وقتوں میں بھی پر ان کوئی کرپشن، بدعنوانی اور بے ضابطگیوں کے الزامات لگانے کی جرات کر سکے گا۔ کیونکہ انہوں نے کوئی بدعنوانی اور بے ضابطگی نہیں کی لیکن یہ بات سو فیصد درست نہیں ہے ۔

اگرچہ جنرل مشرف کے اقتدار کے آٹھ سال دس ماہ اور چھ دنوں میں بہت سے مواقع ایسے بھی آئے جب ان کی شہرت اس حوالے سے سامنے آئی کہ وہ کرپشن بدعنوانی اور بے ضابطگیوں کی سختی سے حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ اس بات کو اگر درست تسلیم کر لیا جائے اور حقائق کو سامنے رکھا جائے تو بعض معاملات میں ان کی فیور اور خاموشی بہت سے شکوک وشبہات کو جنم دیتی ہے اور یہ حقیقت چھپائے نہیں چھپتی کہ انہوں نے بھی روایتی سیاستدانوں کی طرح اپنے قریبی ساتھیوں اور عزیز واقارب کو نوازنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کی ایک مثال ان کے ایک قریبی عزیز بریگیڈیئر (ر) آفتاب صدیقی کی ہے۔ بریگیڈیئر (ر) آفتاب صدیقی فوج کے ریٹائر اعلیٰ افسر تو ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ جنرل مشرف کے بیٹے بلال مشرف کے سسر بھی ہیں اور اس طرح رشتے میں وہ جنرل مشرف کے سمدھی لگتے ہیں۔ باخبر سرکاری حلقوں میں یہ بات عام ہے کہ پرویز مشرف نے بحیثیت آرمی چیف اور صدر پاکستان 2006ء میں کراچی بلٹ ٹرین کے منصوبے کا کنٹریکٹ بریگیڈیئر (ر) آفتاب صدیقی کو دلوانے کے لئے حکام پر دباؤ ڈالا جبکہ اس سے پہلے راولپنڈی پشاور موٹر وے کی تعمیر کا کنٹریکٹ بھی بریگیڈیئر (ر) آفتاب صدیقی کو دیا گیا تھا۔ کراچی بلٹ ٹرین پراجیکٹ اربوں روپے کا منصوبہ ہے۔ اس منصوبے کا مقصد کراچی میں ٹریفک کے بہاؤ کو کم کرنا اور ٹریفک نظام میں بہتری لانا ہے۔ اس منصوبے کے تحت کراچی میں ایک ٹرین چلائی جائے گی ۔ یہ منصوبہ ساڑھے تین سال میں مکمل ہو گا۔ اس

منصوبے کی فزیبلٹی جاپانی ادارے جیٹرو نے تیار کی ۔ اس منصوبے کی حتمی منظوری پلاننگ کمیشن آف پاکستان سے لی گئی اور 2007ء میں اس منصوبے پر کام شروع ہوا۔ جاپان کی حکومت اس منصوبے کیلئے 87 کروڑ 20 لاکھ ڈالرز کا قرضہ دے گی ۔ باقی رقم وفاقی حکومت مہیا کرے گی۔ جاپانی حکومت کا قرضہ 4 سال میں 0.4 شرح سود کے ساتھ واپس لوٹایا جائے گا ۔ اس منصوبے کو دو مرحلوں میں مکمل کیا جائے ۔ پہلے مرحلے میں کراچی سٹی ریلوے سٹیشن سے یونیورسٹی تک سرکلر ریلوے کی 30 کلومیٹر ٹریک کو دوطرفہ کیا جائے گا ۔ اس منصوبے کو دو مرحلوں میں کراچی سٹی سے ڈرگ روڈ سٹیشن تک سرکلر ریلوے کیلئے 14 کلومیٹر کا علیحدہ ڈبل ٹریک بچھایا جائے گا۔ اسی مرحلے میں سرکلر ریلوے کو جناح ٹرمینل سے ملانے کیلئے 6 کلومیٹر کا انڈر گراؤنڈ ڈبل ٹریک ڈالا جائے گا ۔ اس منصوبے کے تحت بلاتعطل آمد و رفت کیلئے مجموعی طور پر 22 انڈر پاسز اور اوور ہیڈ برج تعمیر کیے جائیں گے۔ اس سسٹم میں ہر 6 منٹ کے بعد ایک لوکل ٹرین چلائی جائے گی ۔ اس منصوبے کے حامی یہ دلیل دے رہے ہیں کہ اس سسٹم کے نفاذ سے کراچی کے اربن ٹرانسپوٹ سسٹم میں انقلابی تبدیلی آئے گی اور شہریوں کو ٹرانسپورٹ کی بہتر سولیات میسر آئیں گی۔ اس پورے منصوبے کی خاص بات یہ بھی بتائی جا رہی ہے کہ اس صوبائی اور شہری حکومت کے ساتھ ساتھ پاکستان ریلوے اسٹیک ہولڈر کے طور پر شامل ہو گا۔

جس طرف اس منصوبے کے بارے میں اس طرح کے خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف بعض ذرائع یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اس منصوبے کا مقصد کراچی امیں ٹریفک کے بہاؤ کو کم کرنے کی بجائی 298 ملین ڈالرز کے مصنوبے کا ٹھیکہ اپنے بیٹے کے سسر بریگیڈیئر (ر) آفتاب صدیقی کو دلوانا ہے۔

حقیقت چاہے کچھ بھی ہو یہ بات سامنے آچکی ہے کہ اس منصوبے کیلئے نہ تو ٹینڈرز کال کیئے گئے یہ اور نہ ہی کوٹیشنز لی گئیں بلکہ بغیر کسی کارروائی کے اس بڑے منصوبے کا ٹھیکہ بریگیڈیئر (ر) آفتاب صدیقی کو دے دیا گیا۔

جنرل مشرف کے حکم پر بریگیڈیئر (ر) آفتاب صدیقی کو نوازنے کی یہ کوئی ایک مثال نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلکہ بہت سی مثالیں ہیں۔

اپریل 2006ء میں پرویز مشرف نے ہائر ایجوکیشن کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر عطاء الرحمان کو حکم جاری کیا کہ وہ اُن کے کزن پروفیسر ہارون احمد کو کمیشن میں ایڈوائزر کے طور پر تعینات کریں۔ پروفیسر ہارون برطانیہ میں مقیم تھے۔ پرویز مشرف نے حکم دیا اور ان کے احکامات کی تعمیل کی گئی۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے حکام نے یہ فیصلہ کیا کہ انہیں پاؤنڈز میں ادائیگی کی جائے گی۔ 25 مئی 2006ء کو ان کی تقرری کی منظوری دی گئی۔ پروفیسر ہارون نے یکم اکتوبر 2006ء کو بطور مشیر کمیشن کی ملازمت شروع کی لیکن اپریل سے ستمبر 2006ء تک (جب پروفیسر ہارون کی تقرری بھی نہیں ہوئی تھی) انہیں دو ہزار پاؤنڈ ماہانہ (تقریباً دو لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ) ادا ہوتے رہے۔ تقرری کے بعد ان کی تنخواہ چار ہزار پاؤنڈ (پانچ لاکھ بیس ہزار روپے) قرار پائی۔ اس کے ساتھ ساتھ پروفیسر صاحب کو برطانیہ میں اپنا دفتر چلانے کیلئے 6500/ پاؤنڈ ماہانہ (آٹھ لاکھ پینتالیس ہزار روپے) اضافی طور پر ادا کیے جاتے رہے۔ پروفیسر ہارون احمد کو یہ مشن سونپا گیا تھا کہ وہ پاکستان کو سائنس اینڈ انجینئرنگ یونیورسٹی کے قیام میں اپنے گراں قدر تجربات سے نوازیں۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان نے اس شاہ خرچی اور اقربا پروری کا نوٹس لیا اور معاملہ قومی اسمبلی کی پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کو بھیجا۔ جہاں ممبران پرویز مشرف کا نام آتے ہی اس پر بحث ہی نہ کر سکے۔

یہ کرپشن کی نہایت ادنیٰ سی مثالیں ہے کہ کس طرح مشرف نے اپنے دوستوں، حواریوں، خوشامدیوں اور اُن کی آل اولاد کو نوازا اور بے دردی کیساتھ قومی خزانہ لٹایا۔

اکتوبر 1999ء کے بعد مشرف نے خفیہ ایجنسیوں کو غیر معمولی اختیارات دیئے تاکہ ملک میں حکومت کے منشا کے مطابق سیاسی منظر نامہ تشکیل دیا جائے اور مخصوص لابی کو حرکت میں لا کر سیاسی انتقال کا آغاز کیا جاسکے۔ چنانچہ مشرف کے برسر اقتدار آتے ہی سیاسی تشدد میں اضافہ ہونے لگا۔ ایجنسیوں نے سیاسی قائدین سے نے اس حد تک مطالبہ کیا کہ وہ یا تو مشرف کے کیمپ میں شامل ہو جائیں یا ان کے دشمنوں کا کیمپ اختیار کرلیں۔ جن سیاستدانوں نے صدر مشرف کی تائید کر کے ان کے پرچم تلے آنے میں عافیت سمجھی انہیں خوب نوازا گیا اور ان کے

کروڑوں روپے کے حکومتی قرضے معاف کردیئے گئے۔

2007ء کے اواخر میں انگریزی روزنامہ ''دی نیوز'' نے پارلیمنٹ کی احتسابی کمیٹی کو پیش کی گئی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا کہ پاکستان کے چوٹی کے سیاسی قائدین، اعلیٰ عہدیداروں اور فوجی افسران کے ذمہ کے 54 ملین سے زائد کے حکومتی قرضے معاف کردیئے گئے ہیں جن کی مالیت ایک ارب امریکی ڈالر سے بھی زیادہ بنتی ہے۔ قرضوں کی معافی کی یہ کارروائی اکتوبر 2003ء میں صدر پرویز مشرف کی جانب سے تشکیل دی گئی معاشی ماہرین کی ٹیم کی جانب سے تیار کیئے گئے ایک قانون کی روشنی میں کی گئی۔ رپورٹ کے مطابق قرضوں کی معافی سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد پچاس ہزار سے زائد ہے، جن میں چوٹی کے سیاسی قائدین، فوجی عہدیدار اور کراچی شہر کے رئیل اسٹیٹ تاجر سمیت کئی امراء بھی شامل ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ قرض صرف لوگوں کا معاف کیا گیا جن کا شمار پاکستان کے انتہائی متمول افراد میں ہوتا تھا۔ پرویز مشرف کی حکومت نے قرض معافی کی حوالے سے جو اصول بنائے اس کی بنیادی شرط یہ تھی کہ قرض صرف ان لوگوں کا معاف ہوگا جن کے ذمہ کم از کم پانچ لاکھ روپے کا قرض ہوگا۔ قرض کی معافی کا جو اصول متعارف کروایا گیا اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ معاشی لحاظ سے پاکستان کے کمزور عوام نے اگر حکومت سے قرض لیا ہو تو انہیں قرض لوٹائے بغیر چارہ کار نہیں۔ کیونکہ متمول عوام کو پانچ لاکھ کا قرض نہیں ملتا۔ پانچ لاکھ سے پچاس کروڑ تک کا قرض سرمایہ داروں، فوجی جرنیلوں، سیاستدانوں اور بیوروکریسی کے ان ذمہ داران کو ہی ملتا ہے جن کی پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ یہ اصول انہی لوگوں کے لئے متعارف کروایا گیا تاکہ وہ اپنے ذمہ باقی قرض معاف کرواسکیں۔ قرض معافی کی یہ ساری کارروائی صدر مشرف کی جانب سے بنائی گئی اقتصادی ماہرین کی ایک ٹیم اور سٹیٹ بینک نے انجام دی۔ یہ اقدام 2002ء کے عام انتخابات کے بعد حکومت میں شامل چوٹی کے سیاسی قائدین کے دباؤ کے تحت ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ قرض کی معافی کے اس نئے قانون سے استفادہ کرنے والوں میں دو گورنر بھی شامل ہیں۔ جن میں ایک شوگر فیکٹری کے مالک ہیں۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ کئی سال بعد جب یہ سکینڈل سامنے آیا تو سابقہ حکومتی اتحاد نے شرمندہ ہونے کی بجائے صدر پرویز مشرف کے اس اقدام کا دفاع کیا۔ سابق وفاقی وزیر خزانہ عمر ایوب خان بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے مشرف

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی اس پالیسی کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ 50,414 افراد نے حکومت کی قرض معافی اسکیم سے استفادہ کیا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑی تعداد ہے۔سابق وزیر موصوف نے اس بات کو مسترد کیا کہ اس سے مشرف نے سیاسی قائدین اور تاجروں کو رشوت دینے کی کوشش کی تاکہ ان کی جانب سے مشرف کے اقدامات کسی قسم کا کوئی ردعمل سامنے نہ آئے۔عمر ایوب خان کا کہنا ہے کہ بینکوں کی جانب سے ہونے والے اقدامات بینک کے مفادات کے لئے ہوتے ہیں نہ کسی دباؤ کے تحت۔

یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں کہ 2002 کے پارلیمانی انتخابات میں کامیاب ہونے والے پیپلز پارٹی کے ایک تہائی قائدین اس شرط پر مشرف کی تائید کیلئے آمادہ ہوئے کہ ان کے ایک بلین ڈالر حکومتی قرضے معاف کر دیئے جائیں گے۔جن لوگوں کو خطیر حکومتی قرضے معاف کر دیئے گئے ان میں سابق وزراء مخدوم فیصل صالح حیات، آفتاب احمد شیر پا، سابق وزیر دفاع راؤ سکندر اقبال اور مختلف ریٹائرڈ جرنیل شامل تھے۔ان کے علاوہ ہزاروں سیاسی قائدین بھی جن کے بھاری حکومتی قرضے معاف کئے گئے۔خفیہ ایجنسیوں کی جانب سے دی گئی دھمکیوں کے بعد مہاجر قومی موومنٹ کے متعدد قائدین بھی مشرف کی تائید پر مجبور ہو گئے۔انہوں نے بھی میں عافیت سمجھا کیونکہ ان کے ذمہ بینکوں سے لئے گئے بھاری قرضے بھی ایک بلین ڈالر سے زیادہ تھے۔یہی حال مسلم لیگ نواز شریف کے قائدین کا ہوا۔چنانچہ مسلم لیگ کے 80 فیصد راہنما مشرف کے پرچم تلے آ گئے۔جس کے بدلہ میں ان کے 5 بلین ڈالر کے حکومتی قرضے معاف کر دیئے گئے۔

اس دوران صدر پرویز مشرف نے قومی مفاہمتی آرڈی ننس (این آر او) جاری کیا جس کا مقصد بینظیر بھٹو اور آصف زرداری سمیت پیپلز پارٹی کے قائدین کو کرپشن کیسز سے بری قرار دے کر فائدہ پہنچانا تھا۔اس فیصلے سے صدر پرویز مشرف کی رہی سہی ساکھ بھی چلی گئی اور ان کے بارے میں اس نظریئے کو تقویت ملی کہ وہ کہتے کچھ اور کرتے کچھ اور ہیں۔بے نظیر بھٹو پر 1,5 بلین امریکی ڈالر کے غبن کا الزام تھا۔اس طرح آصف زرداری بھی اربوں روپے کی کرپشن میں ملوث تھے۔بھٹو خاندان کی کرپشن کی یہ سیاہ فائلیں بالکل بند کر دی گئیں۔اس طرح احتساب اور

پرویز مشرف کے اعلانات ایک مذاق بن کر رہ گئے۔اس سے قبل گزشتہ آٹھ سالوں تک فوجی جرنیلوں نے بھٹو خاندان کا خوب پیچھا کیا۔دنیا کے مختلف ملکوں کی عدالتوں میں محترمہ بے نظیر بھٹو کے خلاف مقدمات چلائے گئے جس کے لئے قومی خزانے سے اربوں روپے کی رقوم خرچ ہوئیں لیکن جب پرویز مشرف نے حکومت پر خود کو برقرار رکھنا طے کیا تو بھٹو خاندان کے خلاف سارے الزامات ختم کر دیئے گئے۔یہ سب کچھ اس شرط پر کیا گیا کہ بھٹو خاندان مشرف کی تائید کرتا رہے گا۔

پرویز مشرف پر ایک اور الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بہاولپور میں 380 روپے فی ایکڑ کے حساب سے منظور نظر جرنیلوں اور فوجی افسران چار سو ایکڑ زرعی اراضی الاٹ کی۔ان میں سے کئی جنرلز کو ترقی ملی، کچھ ریٹائرڈ ہو گئے اور کچھ ابھی تک حاضر سروس ہیں۔دلچسپ بات یہ کہ ان میں اکثر نے اپنی زمین لاکھوں روپے فی ایکڑ کے حساب سے فروخت کر دی اور دنوں میں ارب پتی بن گئے۔ان کے نام یہ ہیں۔

☆جنرل پرویز مشرف چک نو بادیزمان بہاولپور

☆جنرل زبیر، چک ڈی بی/14

☆جنرل معین لدین حیدر، ڈی بی/43

☆جنرل عزیز، بی سی/16

☆جنرل اقبال، بی سی/16

☆جنرل سروپ، بی سی/17

☆جنرل جاوید، ڈی بی/61

☆جنرل ارشاد معین

☆جنرل زرار نیازی، ڈی بی 64

☆جنرل ذوالفقار علی پی/54

☆لیفٹیننٹ جنرل سلیم حیدر پی/54

☆لیفٹیننٹ جنرل محمد اکرم 94/9

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆ لیفٹیننٹ جنرل محمد نعیم

☆ لیفٹیننٹ جنرل محمد افضل جنجوعہ پی/54

☆ لیفٹیننٹ جنرل امین بخاری پی/96

☆ لیفٹیننٹ جنرل خالد مقبول پی/54

☆ لیفٹیننٹ جنرل ارشاد حسین

☆ لیفٹیننٹ جنرل مشتاق حسین پی/54

☆ لیفٹیننٹ جنرل طارق پرویز (مسلم لیگی راہنما نادر پرویز کے بھائی)

☆ ایڈمرل منصور الحق، ڈی بی/113

☆ ائیر مارشل امتیاز حیدر، ڈی بی/114

☆ میجر جنرل ملک محمد سلیم 101/1L

☆ میجر جنرل امجد شعیب 127/1L

☆ میجر جہانگیر نصر اللہ، پی/95

☆ میجر جنرل وقار الحق، پی/55

☆ میجر جنرل محبوب مظفر، پی/55

☆ میجر جنرل خورشید عالم، 107/101A

☆ میجر جنرل آغا جہانگیر علی خان، 120/1L

☆ میجر جنرل جمشید ایاز خان، 126/1L

☆ میجر جنرل طاہر علی قریشی، پی/93

☆ لیفٹیننٹ جنرل مظفر عثمانی، پی/93

☆ میجر جنرل سلطان حبیب 93/P

☆ میجر جنرل عبدالرزاق، 250/P

☆ میجر جنرل محمد مشتاق، 54/P

☆ میجر جنرل محمد رضا، 54/P

حمیدی

☆ میجر جنرل رفیع اللہ، (سابق سربراہ انٹیلی جنس بیورو)

☆ میجر جنرل ظفر مہدی (سابق سربراہ رینجرز)

☆ بریگیڈیئر محمد سرفراز 55/P

☆ بریگیڈیئر محمد جمیل قدرت وارثی IL/104

☆ بریگیڈیئر ممتاز، IL/104

☆ بریگیڈیئر رشید، چک 126

☆ بریگیڈیئر علی اکبر، 54/P

☆ بریگیڈیئر گل عالم خان 46/P

☆ بریگیڈیئر محمد بشیر باز، چک 256

☆ بریگیڈیئر امان اللہ، 54/P ☆

☆ بریگیڈیئر سعید عبدالخالق IL/129

☆ بریگیڈیئر اشرف خان آفریدی 49/P

☆ بریگیڈیئر غضنفر اعظم، چک 105

☆ بریگیڈیئر جاوید ملک 46/P

☆ بریگیڈیئر غلام عباس، چک 46/P

☆ بریگیڈیئر افتخار، چک 46/P

☆ بریگیڈیئر شاہد نعیم، چچک 46/P

☆ بریگیڈیئر ضیاء اللہ، IL/119

☆ بریگیڈیئر صادق خان 54/P

☆ بریگیڈیئر مسعود بشیر 54/P

☆ بریگیڈیئر پرویز اختر 54/P (بیٹا سلیم خان)

☆ کرنل شوکت حیات IL/123

☆ کرنل صفدر حسین 250/P

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆ کرنل محمد طارق خان 256/P

☆ کرنل بہادر نواز 256/P

☆ لیفٹیننٹ کرنل احمد یار خان 44/46

☆ لیفٹیننٹ کرنل عبدالرحیم خان 93/p

☆ لیفٹیننٹ کرنل ارشاد پرویز خان 93/p

24 اپریل 2008ء کو مسلم لیگ (ن) کے رکن قومی اسمبلی راجہ محمد اسد خان کے ایک سوال کے جواب میں قومی اسمبلی کو بتایا گیا کہ صدر پرویز مشرف نے ستمبر 2006ء میں اب تک کا سب سے مہنگا دورہ کیا تھا جس پر قومی خزانے سے بائیس کروڑ روپے خرچ ہوئے تھے۔ راجہ اسد نے سوال کیا تھا کہ ایوان کو بتایا جائے کہ صدر مشرف کے جنوری 2003ء سے فروری 2008ء کے پانچ برسوں میں صدر نے کتنے غیر ملکی دورے کیے اور ان پر کتنا پیسہ خرچ ہوا؟ اس سوال کے جواب میں اایوان کو بتایا گیا کہ اس دوران صدر نے مجموعی طور پر 37 دورے کیے۔ تاہم صدر کا مہنگا ترین دورہ ستمبر 2006ء میں کیا گیا تھا جو سولہ روز طویل تھا۔ صدر اس دورے میں اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے امریکہ، یورپی یونین سے مذاکرات کے لیے بلجیم، غیر وابستہ ممالک کی تحریک کے اجلاس میں شرکت کے لیے کیوبا اور پھر برطانیہ گئے تھے۔ صدر کے ساتھ اس دورے میں 52 افراد پر مشتمل ایک بڑا وفد بھی شامل تھا۔ تاہم صدر مشرف اس سے بھی بڑے وفود کے ساتھ بھی دورے کر چکے ہیں۔ 53 اراکین کے ایک وفد کے ساتھ صدر نے مراکش، برازیل، ارجنٹینا، میکسیکو، فرانس اور امریکہ کا نومبر 2004ء میں پندرہ روز دورہ کیا تھا جس پر نو کروڑ روپے سے زائد کا خرچہ آیا تھا۔ سب سے چھوٹے وفد کے ساتھ انہوں نے متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا جس میں صرف اٹھارہ اراکین شامل تھے جو انہوں نے اپریل 2006ء میں کیا۔ ان کا سب سے کم خرچ دورہ نومبر 2004ء میں تیس رکنی وفد کے ساتھ افغانستان کا ثابت ہوا جس پر صرف 35 ہزار روپے خرچہ آیا۔ مبصرین کا خیال میں یہ اعداد وشمار واضح نہیں کیونکہ 30 اراکین کے سفر کا خرچ اس رقم سے کئی گنا زیادہ ہوگا۔ ان پانچ برسوں میں جس ملک کا صدر نے سب سے زیادہ

رخ کیا وہ سعودی عرب ہے جہاں وہ آٹھ مرتبہ گئے۔ ان میں چار دورے تو انہوں نے 2007ء میں کیے جن میں سے بعض کا مقصد سعودی حکمرانوں کے ساتھ سابق وزیر اعظم نواز شریف کی واپسی پر بات کرنا تھا۔ سعودی عرب کے بعد دوسرے نمبر پر امریکہ ہے جہاں کے انہوں نے چھ دورے کیے۔ اگرچہ 2007ء پاکستان اور صدر پرویز مشرف دونوں کے لیے سب سے زیادہ بحران بھرا سال تھا تاہم اس برس پرویز مشرف نے کسی بھی سال میں سب سے زیادہ یعنی آٹھ غیر ملکی دورے کیے۔ پرویز مشرف کے دورے پر آنے والے ان اخراجات کو اگر جمع کیا جائے تو وہ تقریباً ایک ارب روپے کے قریب بنتے ہیں۔

صدر مشرف کے وہ کرتوت جن کی وجہ سے انہیں آج یہ دن دیکھنا پڑ رہے ہیں، ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس وقت ان کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ان ہی کرتوتوں کی سزا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پرویز مشرف، اقتدار کی ٹائم لائن

☆12 اکتوبر 1999 کو جنرل پرویز مشرف نے سری لنکا سے واپسی پر نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹا اور آئین کو معطل کر کے چیف ایگزیکٹو کا عہدہ سنبھال لیا۔ جنرل پرویز مشرف نے سات نکاتی ایجنڈے کا اعلان کیا اور احتساب کے لیے نیب یعنی قومی احتساب بیورو کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ نیب کے روبرو سابق وزرائے اعظم نواز شریف اور بینظیر بھٹو سمیت دیگر سیاست دانوں کے خلاف مقدمات کی سماعت ہوئی۔

☆ستائیس 2000ء کو اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کے لیے پی سی او جاری کیا جس کے تحت سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سعیدالزمان صدیقی سمیت ایک درجن کے قریب ججوں کو برطرف کر دیا گیا۔

☆12 مئی 2000ء کو سپریم کورٹ کے فل بنچ نے بارہ اکتوبر کے فوجی اقدام کے خلاف درخواست پر جنرل پرویز مشرف کو تین مہینے کے اندر انتخابات کرانے کے لیے حکم دیا۔

☆2001 میں جنرل پرویز مشرف نے پاکستان میں نیا ضلعی نظام حکومت متعارف کرا جس کے تحت پہلے ملک بھر میں مرحلہ وار انتخابات ہوئے اور چودہ اگست دو ہزار ایک میں اس نظام کے تحت منتخب ہونے والوں نے اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا۔

☆20 جون 2001ء کو جنرل پرویز مشرف نے بھارت یاترا سے قبل اس وقت کے صدر رفیق تارڑ کو برطرف کر کے ان کی جگہ خود صدر بن گئے جبکہ اسی روز پارلیمنٹ اور چاروں صوبائی اسمبلیوں کو بھی تحلیل کر دیا۔

☆11 ستمبر 2001ء نائن الیون کے واقعہ کے بعد جنرل پرویز مشرف امریکہ کے اتحادی کی حیثیت سے سامنے آئے اور ان کو امریکہ کی بھرپور حمایت حاصل رہی۔ پانچ اپریل سن 2002ء کو صدر مشرف نے قوم سے اپنے خطاب میں صدارتی ریفرنڈم کرانے کا اعلان کیا تھا۔

☆اگست 2002ء میں صدر جنرل پرویز مشرف نے معطل آئین میں ترمیم کے لیے ایل ایف او یعنی لیگل فریم ورک آرڈر جاری کیا جس کے تحت صدر اسمبلی تحلیل کرنے، نیشنل سیکیورٹی کونسل کا قیام اور اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کی ریٹائرمنٹ کی عمر میں توسیع کر دی گئی۔

☆10 اکتوبر 2002ء کو پاکستان میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں منتخب ہونے والے ارکان قومی اسمبلی نے چھتیس دن بعد سولہ نومبر کو حلف اٹھایا۔ جبکہ انیس نومبر کو سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کے انتخابات ہوئے جس میں چوہدری امیر حسین سپیکر اور سردار یعقوب ڈپٹی سپیکر کے طور پر منتخب ہوئے۔

☆30 نومبر 2002ء کو صدر پرویز مشرف نے نئے وزیراعظم میر ظفر اللہ جمالی سے حلف لیا۔

☆25 دسمبر 2003ء کو راولپنڈی میں صدر مشرف کے قافلے پر خودکش حملہ ہوا تاہم صدر مشرف محفوظ رہے۔ اس حملے میں چودہ افراد ہلاک ہوئے تھے۔

☆31 دسمبر 2003ء کو صدر جنرل پرویز مشرف کی توثیق کے بعد سترھویں ترمیم پاکستان کے آئین کا باقاعدہ حصہ بن گئی۔ سترھویں ترمیم متحدہ مجلس عمل کے ساتھ معاہدے کے بعد پیش کی گئی۔ اس بل کے تحت صدر مشرف آئندہ سال کے آخر تک فوجی وردی اتار دیں گے۔

☆یکم جنوری 2004ء چار پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کے چھ سو اٹھاون ارکان نے صدر مشرف کے حق میں ووٹ دیا ہے۔

☆چار فروری 2004ء کو ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے 'ایران، لیبیا اور شمالی کوریا کو ایٹمی ٹیکنالوجی فراہم کرنے کے تمام الزامات قبول کرتے ہوئے صدر جنرل پرویز مشرف سے ملاقات کر کے رحم کی اپیل کی ہے۔

☆30 جون 2004ء کو چودھری شجاعت حسین سے صدر مشرف نے وزیراعظم کے عہدے کا حلف لیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆28 اگست 2004ء کو صدر پرویز مشرف نے شوکت عزیز سے وزیر اعظم کے عہدے کا حلف لیا۔

☆15 جولائی 2005ء کو صدر مشرف کی جانب سے سرحد اسمبلی میں پاس کیے گئے حسبہ بل کے خلاف ریفرنس دائر کیا گیا۔

☆25 ستمبر 2006ء کو صدر پرویز مشرف کی کتاب 'ان لائن آف فائر؟' کے عنوان سے شائع ہونے والی کتاب فروخت کے لیے پیش کی گئی۔

☆9 مارچ 2007ء کو صدر مشرف نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کو ان کے عہدے سے ہٹا کر ان کے خلاف ریفرنس دائر کر دیا اور اس طرح صدر مشرف کے خلاف ایک احتجاجی تحریک شروع ہو گئی۔

☆27 جولائی 2007ء کو پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف اور پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بینظیر بھٹو کے درمیان ابوظہبی میں ہونے والی ملاقات بغیر کسی اتفاق کے ختم ہو گئی۔

☆پانچ اکتوبر 2007ء کو صدر مشرف کی منظوری کے بعد بدعنوانی مقدمات کی واپسی کا قومی مصالحتی آرڈیننس جاری کر کیا گیا۔

☆دو اکتوبر 2007ء کو پاکستان کے صدر اور فوج کے سربراہ جنرل پرویز مشرف نے آئی ایس آئی کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل اشفاق کیانی کو ترقی دے کر فوج کا نیا سربراہ نامزد کر دیا جبکہ لیفٹیننٹ جنرل طارق مجید کو چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی نامزد کر دیا۔

☆6 اکتوبر 2007ء کو ہونیوالے صدارتی انتخاب میں جنرل مشرف دوبارہ صدر منتخب ہو گئے جبکہ ان کی اہلیت کے حوالے سے صدارتی امیدوار جسٹس وجیہ الدین کی درخواست سپریم کورٹ کے فل بنچ کے روبرو زیر سماعت تھی۔

☆تین نومبر 2007ء کو صدر پرویز مشرف نے ملک میں ایمرجنسی لگا دی۔ انہوں نے اعلیٰ ججوں اور آئین کو معطل کر دیا تھا اور پی سی او کے تحت ججوں سے حلف لیا گیا۔

☆11 نومبر 2007ء صدر مشرف نے اسمبلیاں پندرہ نومبر کو ختم کرنے اور عام انتخابات جنوری کے اوائل میں کرانے کا اعلان کیا۔

☆15 نومبر 2007ء کو صدر مشرف نے قومی اسمبلی کی آئینی مدت مکمل ہونے پر اس کو تحلیل کر دیا اور ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ چیئرمین سینیٹ محمد میاں سومرو کو پاکستان کا نگران وزیر اعظم مقرر کر دیا۔

☆16 نومبر 2007ء کو صدر جنرل مشرف نے نگران وزیر اعظم اور کابینہ سے حلف لیا۔

☆19 نومبر 2007ء پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والے سپریم کورٹ کے ججوں نے صدر مشرف کی اہلیت کے خلاف دائر چھ میں سے پانچ آئینی درخواستوں کو مسترد کر دیا۔

☆22 نومبر 2007ء سپریم کورٹ نے صدر مشرف کے دوبارہ صدر منتخب ہونے کے خلاف دائر اپیل مسترد کر دی۔ اس دن ملک میں بنیادی انسانی حقوق کی معطلی کے خلاف دولت مشترکہ نے پاکستان کی رکنیت معطل کر دی۔

☆23 نومبر 2007ء سپریم کورٹ نے صدر مشرف کی جانب سے ایمرجنسی کے نفاذ کو درست قرار دیا۔

☆27 نومبر 2007ء صدر مشرف نے فوجی دستوں اور اعلیٰ فوجی افسران سے الوداعی ملاقات کی۔ اٹھائیس نومبر ایک فوجی تقریب کے دوران صدر مشرف نے فوج کی کمان جنرل اشفاق پرویز کیانی کے سپرد کر دی۔

☆29 نومبر 2007ء صدر مشرف نے سویلین لباس میں دوسری بار ملک کے صدر کا حلف اُٹھا لیا اور ایک بار پھر قوم سے خطاب کیا۔

☆9 دسمبر 2007ء صدر مشرف نے اعلان کیا کہ ملک سے ایمرجنسی پندرہ دسمبر کو اٹھا لی جائے گی۔

☆15 دسمبر 2007ء صدر مشرف نے ملک سے ایمرجنسی ختم کرتے ہوئے آئین بحال کر دیا۔

☆18 فروری 2008ء کو ہونے والے انتخابات میں صدر پرویز مشرف کی حامی جماعت مسلم لیگ قاف کو ناکامی ہوئی۔

☆25 مارچ 2008ء کو صدر مشرف نے زیر اعظم مخدوم سید یوسف رضا گیلانی کو حلف

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دلوایا۔

☆7اگست 2008ءکوحکمران اتحاد میں شامل چار بڑی جماعتوں نے جنرل مشرف کا مواخذہ کرنے کا اعلان کیا جبکہ پنجاب ،سندھ سرحد اور بلوچستان اسمبلی نے الگ الگ قرارداد منظور کی جن میں صدر پرویز مشرف سے اعتماد کا ووٹ لینے کے لیے کہا گیا۔

☆18گست 2008ءکوصدر پرویز مشرف نے قوم سے خطاب کر کے اپنے استعفیٰ کا اعلان کردیا۔

حمیدی

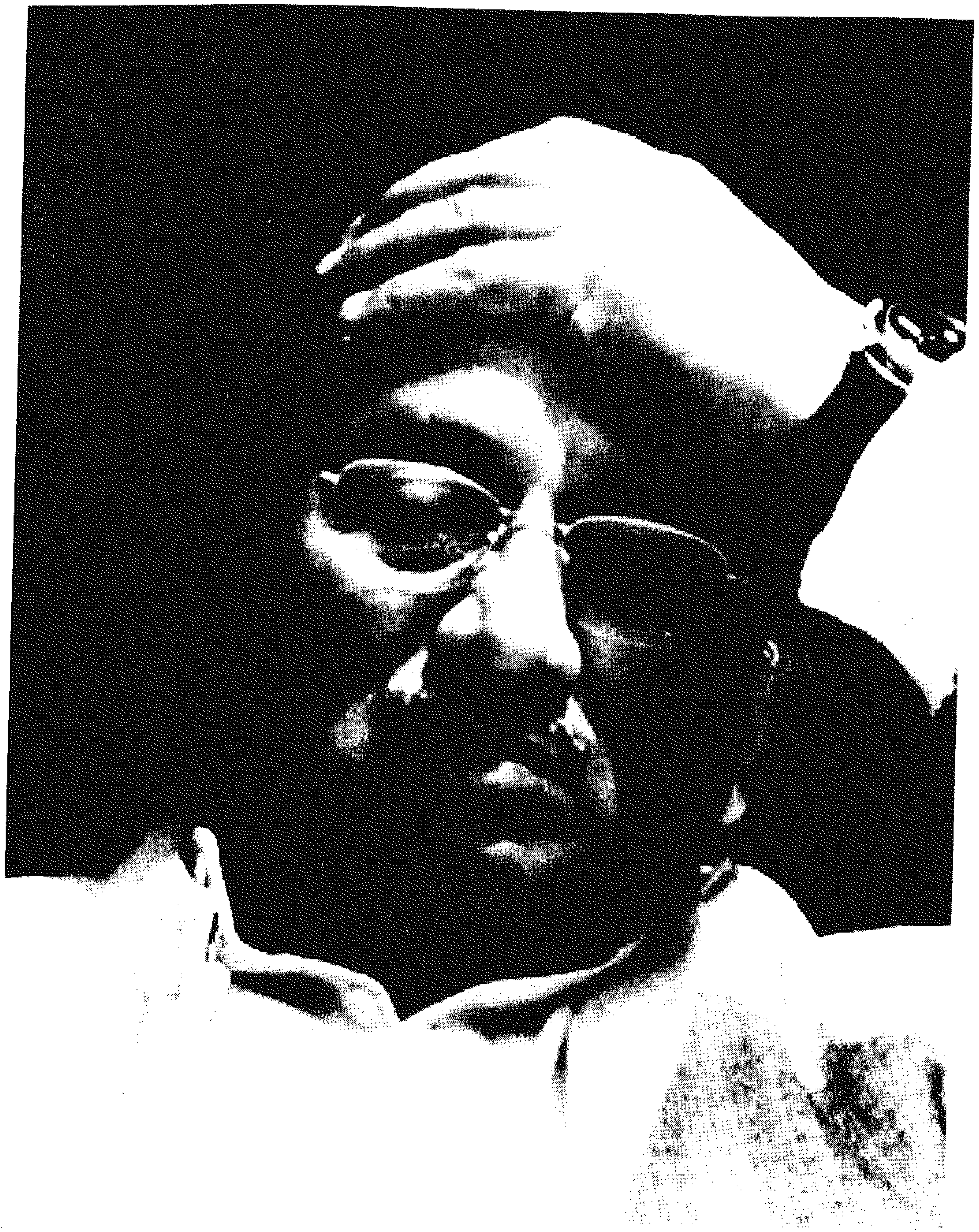

ہائے زود پشیماں کا پشیماں ہونا

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

18 اگست 2008ء کو قوم سے خطاب میں اپنے استعفیٰ کا اعلان کرتے ہوئے

مشرف کے استعفیٰ کے بعد زرداری اور نواز شریف کی خوشی کا اظہار

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مستقبل

19 اگست 2008ء کا دن تھا۔ بظاہر یہ ایک عام سا دن تھا لیکن آرمی ہاؤس میں بیٹھے پرویز مشرف کے لئے یہ دن ایک غیر معمولی نوعیت کا تھا۔ اس روز ان کی کوئی مصروفیت نہیں تھی اور ایسا نو سال میں پہلی بار ہوا تھا۔ ان کے دن کی شروعات بھی مختلف انداز میں ہوئی۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ کے ہمراہ اطمینان سے ناشتہ کیا۔ اس اطمینان کی وجہ یہ تھی انہیں آج وقت پر دفتر نہیں جانا تھا اور نہ کسی سے ان کی ملاقات کا کوئی شیڈول تھا۔

پرویز مشرف اس روز خوش تو تھے لیکن اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں وہ اپنے بعض دوستوں کے رویے سے پریشان تھے۔ ان دوستوں کو پتہ چل گیا تھا کہ پرویز مشرف استعفیٰ دینے والے ہیں، اسی لئے انہوں نے ماضی کے اس دوست (پرویز مشرف) سے دوری اختیار کر لی تھی۔

فون پر فون آ رہے تھے، جس میں کچھ تو مبارکبادیں دے رہے تھے اور کچھ اس بات پر افسوس کا اظہار کر رہے تھے کہ یہ ٹھیک نہیں ہوا۔

یہ واحد دن تھا جب پرویز مشرف نے پوری دنیا سے اپنے رشتہ داروں اور دوست، احباب کی سب سے زیادہ فون کالز سنیں۔ پرویز مشرف کی ایک دوست سے فون پر بات ہوئی تو اس نے مشورہ دیا کہ وہ کچھ عرصے کیلئے پاکستان سے باہر چلے جائیں۔ پرویز مشرف کے اس دوست نے انہیں اسی روز ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ہونے والے خودکش حملے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ انتہاپسند پاکستان میں انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور انہیں غیر معمولی احتیاطی تدابیر کرنی چاہئیں۔ پرویز مشرف نے اس دوست کی بات کو ہنسی میں ٹال دیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

18 اگست 2008ء کو آخری گارڈ آف آنرز کا معائنہ

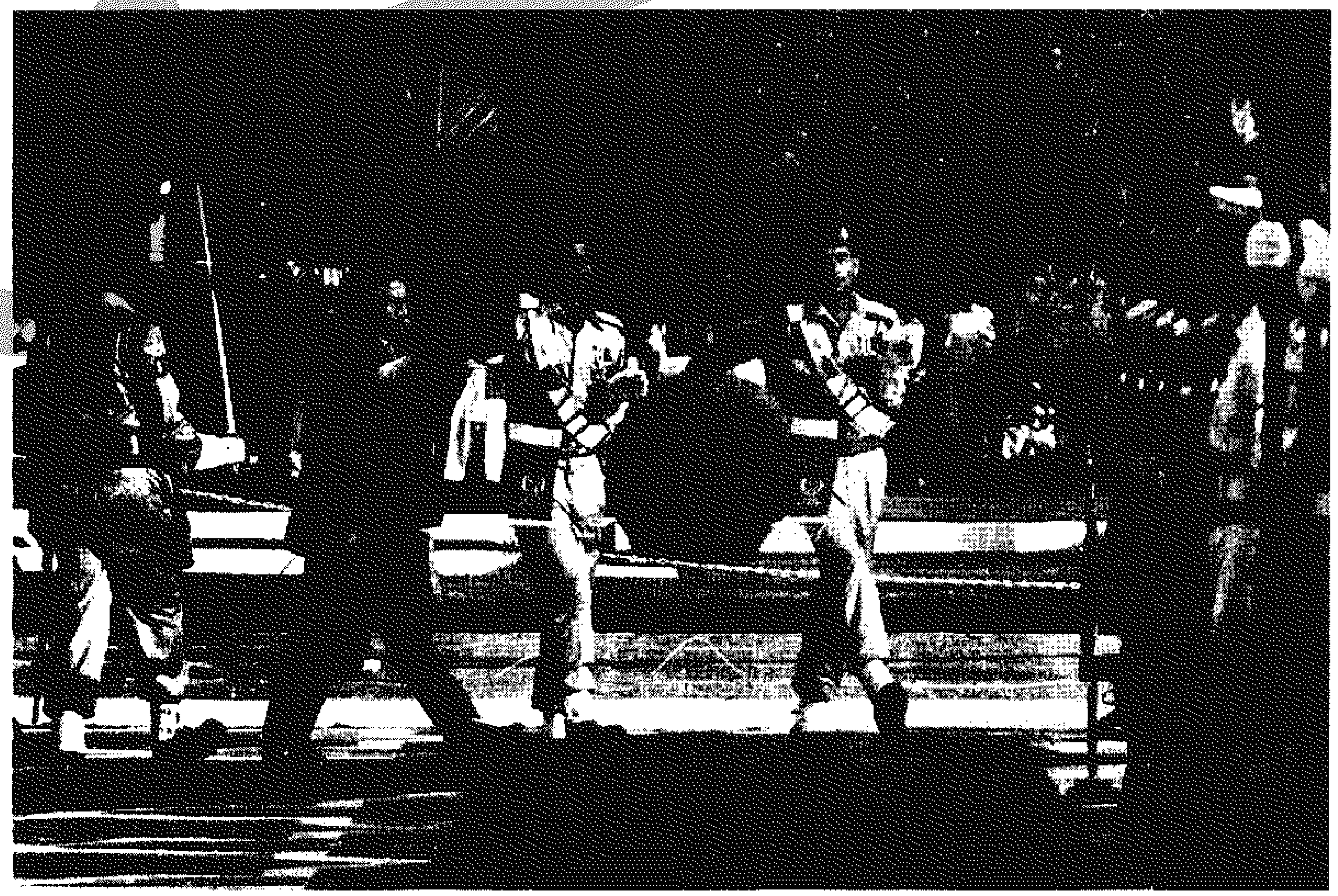

مشرف گارڈ آف آنرز کے معائنہ کے بعد واپس جاتے ہوئے

دوپہر اور شام کا آغاز بھی ایسے ہی ہوا اور انہوں نے اس روز وہ کام کئے جو وہ کرنے کے بارے میں سوچتے تو تھے لیکن مصروفیت کی وجہ سے کر نہیں پاتے تھے۔ دوپہر کو انہوں نے مختلف ٹی وی چینلو دیکھے جن پر ان کی رخصتی کے حوالے سے جشن کی تقریبات دکھائی جارہی تھیں۔

پرویز مشرف نے یہ دیکھ کر مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا:

''ان ٹی وی چینلو کو زرداری اور نواز شریف جلد بڑے سبق سکھائیں گے، انہیں نانی یاد آجائے گی''۔

شام کا آغاز بھی ایسے ہی ہوا۔ انہوں نے میوزک پلیئر آن کیا اور محمد رفیع کے سدا بہار نغموں سے لطف اندوز ہونے لگے۔ انہوں نے اپنا من پسند نغمہ ''چل اڑ جا رے پنچھی کہ اب یہ دیس ہوا بیگانہ'' سنا۔

ملک و قوم کو اس وقت جو مسائل درپیش تھے، انہیں مدنظر رکھتے ہوئے کیا پرویز مشرف کا اس کا احساس تھا؟

پرویز مشرف کو اس بات کی کوئی فکر نہیں تھی کہ اب ان کا مستقبل کیا ہوگا؟ استعفیٰ کے بعد اپنے قریبی احباب سے گفتگو میں ان کا یقین تھا کہ یہ قوم انہیں پھر پکارے گی اور ان کے کارناموں کو یاد ضرور کرے گی۔

کیا وہ حقائق سے بے خبر تھے؟ نظریں چرا رہے تھے؟ یا جھوٹ بول رہے تھے؟ ان کے آٹھ سال، دس ماہ اور چھ دن کے دور اقتدار کو نظر میں رکھا جائے تو لگتا ہے کہ تینوں باتیں ہی درست ہیں۔

استعفیٰ سے پہلے پرویز مشرف کا حال دیگر فوجی آمروں جیسا تھا جو ایک بار عوام کے کندھوں پر سوار ہو جاتا ہے، وہ از خود اترنا گناہ سمجھتا ہے۔ نہ دیگر فوجی آمروں سے ان کے آنے والے جانشینوں نے کوئی سبق حاصل کیا اور نہ ہی عبرت پکڑی۔ کسی زمانے میں ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ آئین پر بھی بھاری ہوا کرتا تھا۔ انہوں نے جو کہہ دیا وہی ملک کا فرمان بن گیا۔ لیکن پھر وقت بدل گیا۔

صدارت کے مستعفیٰ ہونے کے بعد 19 اگست 2008ء کو انہوں نے بہت سی باتیں سوچی ہوں گی اور ماضی کو یاد کیا ہوگا لیکن انہوں نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ انہوں نے جن فوجی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جرنیلوں کے ساتھ مل کر 12 اکتوبر 99ء کی رات کی اقتدار پر شب خون مارا تھا، آج ان میں سے کوئی بھی ان کے ساتھ کیوں نہیں؟۔ نواز شریف کی طرف سے انہیں ریٹائرمنٹ کے بعد تخت طاؤس پر بٹھانے والے ان کے تین ساتھی جرنیلوں جنرل عثمانی. جنرل محمود اور جنرل عزیز کا بھی آج دور دور تک کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ جنرل مشرف کو سربراہ مملکت بنانے والے تمام ساتھی جرنیل بھی انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر کیوں منظر عام سے ہٹ گئے؟ اور کیوں انہوں نے مشرف کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ سابق کور کمانڈر راولپنڈی اور سابق چیرمین سٹیل مل جنرل جمشید گلزار کیانی اور جنرل عبدالقیوم اپنی سروس کے دوران جنرل مشرف کی مدح سرائی کا کوئی چانس مس نہیں کرتے تھے لیکن پھر وقت بدلا اور دونوں نے ہی اپنے سابق باس کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا۔ اسے احسان فراموشی کا نام دیا جائے یا مشرف کو ان کے کرتوتوں کی سزا.............؟

جنرل (ر) قیوم نے قوم کو سٹیل مل سیکنڈل کے حوالے سے کئی سربستہ کہانیوں سے آگاہ کیا۔ جنرل (ر) کیانی طیارہ سازش کیس کو من گھڑت قرار دے چکے ہیں۔ جنرل احتشام ضمیر کو ریفرنڈم کا تخلیق کار اور ق لیگ کا انجینیر کہا جاتا ہے. اور وہ بھی طلسم ہوشربا قسم کی داستانیں سنا کر مشرف کو کافی رنجیدہ کر چکے ہیں۔ . جنرل (ر) معین الدین صدر کے پانچ پیاروں میں شامل تھے۔ وہ وزارت داخلہ کے تخت پر فروکش رہے۔ انہوں نے بھی صدر کے خلاف گولے برسانے کا محاذ خوب گرم کئے رکھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ریٹائر فوجی افسران اور عسکری ملازمین کی تنظیم ایکس سروس مینز نے تو سب کو مات دے دی، کیونکہ اس تنظیم کے سرخیل نہ صرف صدر کے خلاف غداری کا مقدمہ قائم کرنے کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملانے میں مصروف ہیں بلکہ وہ پرویز مشرف کو ملکی سلامتی کے لئے خطرہ بھی سمجھ رہے ہیں۔ یہ سب کچھ پرویز مشرف کے کرتوتوں کے نتائج ہیں۔

دانا صحیح کہتے ہیں کہ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔ یہ مذاق نہیں حقیقت ہے کہ جس روز لال مسجد کو معصوموں کے خون سے رنگین کیا گیا اسی روز سے صدر پرویز مشرف کے زوال کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب ان کے زوال کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طرف بڑھتے ہوئے قدم تھے جو دن گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ایک اندھیرے کنوئیں کی طرف لیجاتے رہے۔

داناؤں کا قول ہے کہ تاریخ کی عرق ریزی اس سچائی کو الم نشرح کرتی ہے کہ ڈکٹیٹرز کی گردنوں میں جب زوال کا طوق ڈالا جاتا ہے تو وہ نہ صرف عوامی حمایت سے تہی داماں ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے قریبی نورتن اور پیادے بھی ایک ایک کر کے انہیں چھوڑ جاتے ہیں لیکن آمروں کے محلات کا راوی پھر بھی شانتی کی بانسری بجاتا رہتا ہے۔مشرف کو ابھی تک اس احساس تفاخر نے گھیر رکھا ہے کہ وہ ایسے راہنما ضرور ہیں جس نے پاکستان کی خدمت کی۔

حمیدی

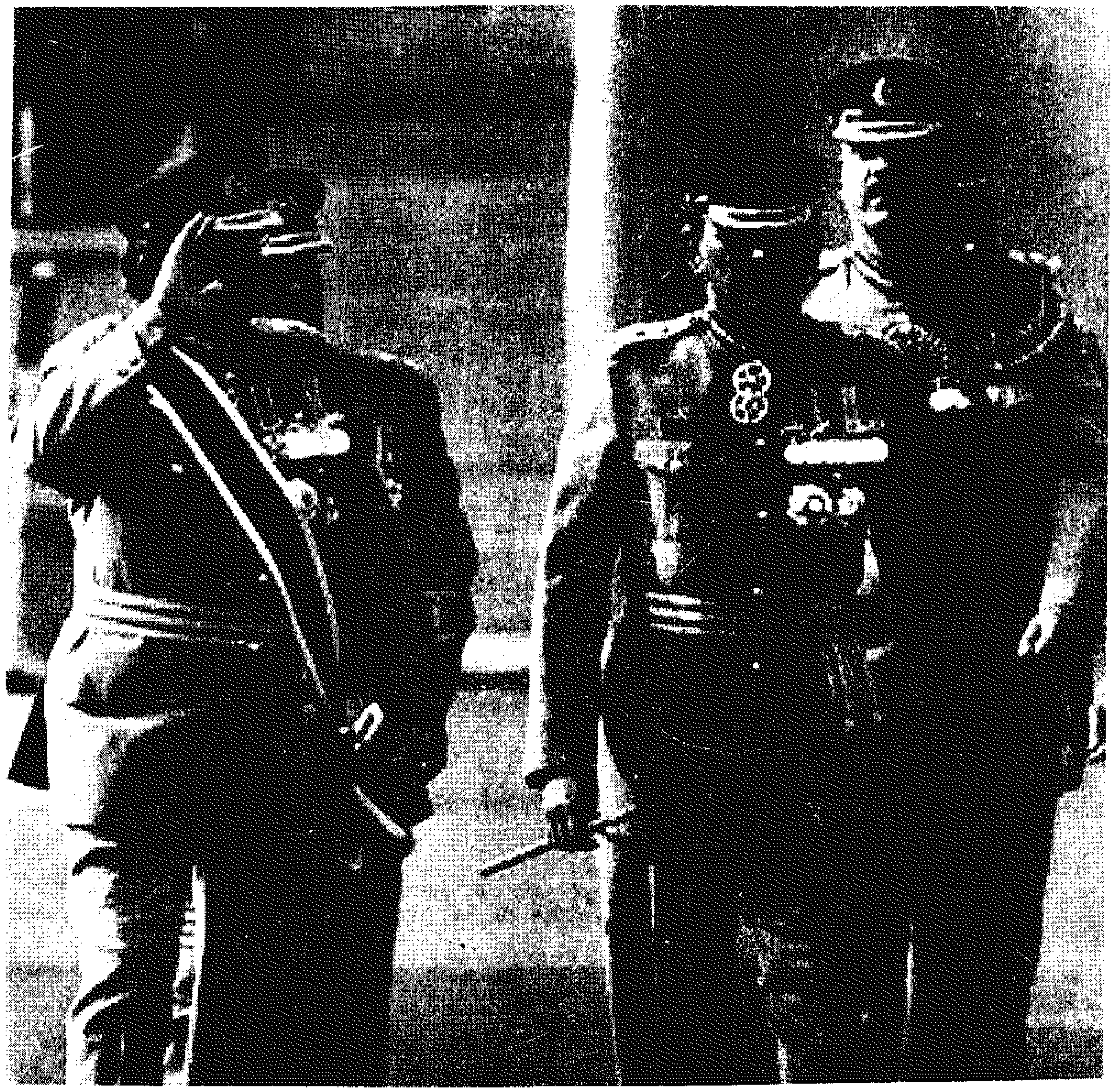

28 نومبر 2007ء کو آرمی چیف کا عہدہ چھوڑنے کی تقریب کے دوران

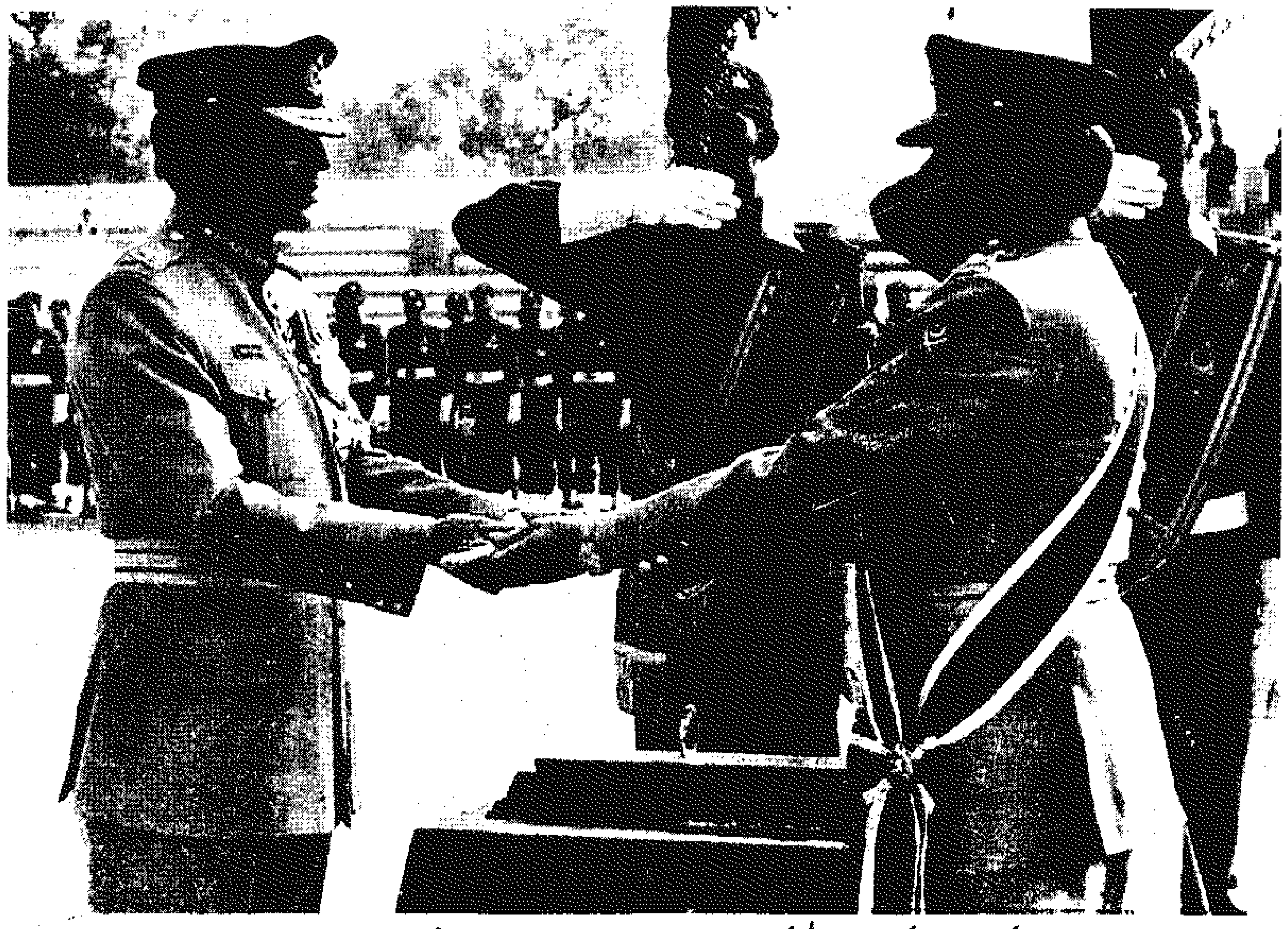

آرمی چیف کی کمان کی تبدیلی کی علامت سٹک جنرل کیانی کے حوالے کرتے ہوئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پی سی او چیف جسٹس عبدالحمید ڈوگر سے حلف لیتے ہوئے

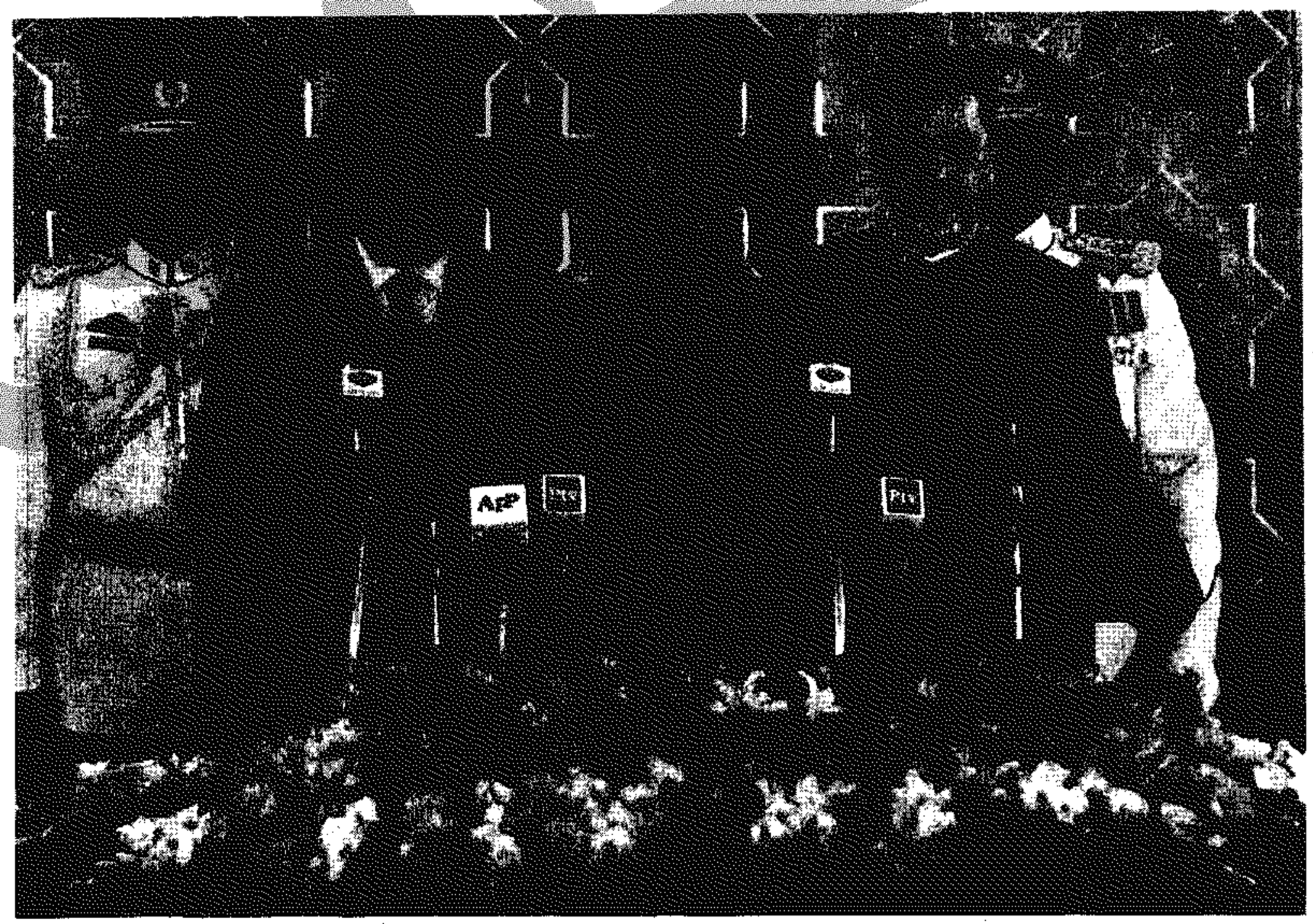

وزیراعظم یوسف رضا گیلانی سے حلف لیتے ہوئے

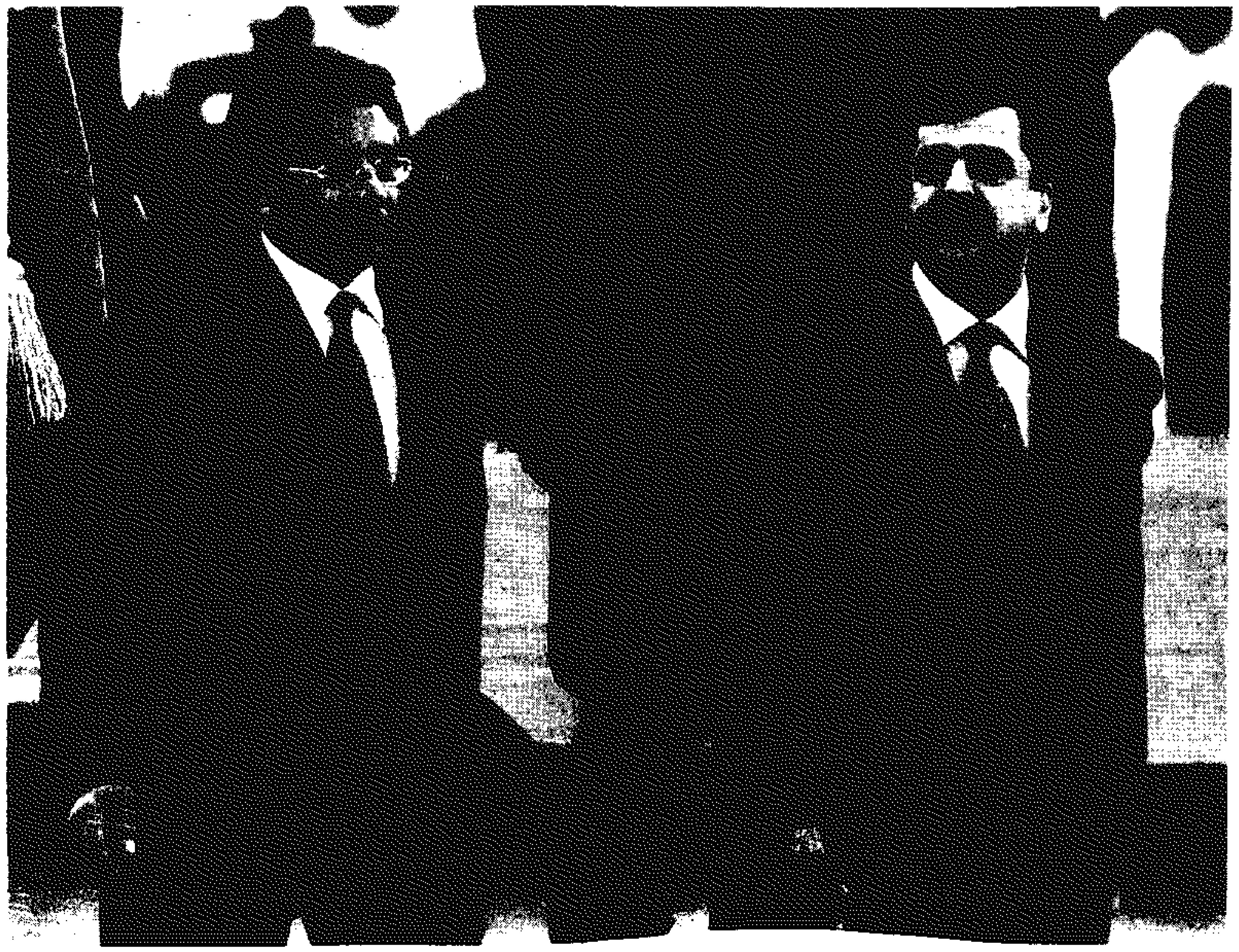

وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اور پرویز مشرف کی دو مختلف تقریبات کی تصاویر
دونوں میں تعلقات کی سرد مہری کا اندازہ چہرے کے تاثرات سے لگایا جاسکتا ہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فیکٹ پبلیکیشنز کی بہترین کتابیں
نئی کتابیں

ذکر رحمتہ اللعلمین ﷺ	فرحان ولایت بٹ	Rs: 120
تاریخ اسلام (عہد جاہلیت سے عہد نبوی تک)	پروفیسر یسین مظہر صدیقی	Rs: 200
اقتدار میں پرویز مشرف کے آخری 365 دن	مقبول ارشد	Rs: 180
لذیز کھانوں کا انسائیکلوپیڈیا (سی ڈی کیساتھ)	شگفتہ اشفاق	Rs: 400
جرنیل بیتی (پرویز مشرف کی بائیوگرافی)	مقبول ارشد	Rs: 400
بابری مسجد، تباہی اور بربادی کی داستان	پی۔وی۔نرسمہاراؤ	Rs: 320
کامیابی کے راستے	ڈیل کارنیگی	Rs: 150
پاکستان کے بڑے مالیاتی اسکینڈلز	مصنف: وسیم شیخ	Rs: 140
کشمیر کے راجے اور مہاراجے	محمد الدین فوق	Rs: 100
جلال الدین اکبر	شیریں موسوی	Rs: 130
الیکشن یا سلیکشن	مصنف: وسیم شیخ	Rs: 190
دولت آپ کے قدموں میں!	مصنف: اکرم طاہر	Rs: 150
شاہی محلات کے عشق	مصنف: راجہ مہدی علی	Rs: 120
عظیم لوگ	مصنف: ڈیل کارنیگی	Rs: 130
خوشگوار زندگی کے راہنما اصول	مصنف: ڈیل کارنیگی	Rs: 100
کامیابی کے راز	مصنف: ڈیل کارنیگی	Rs: 100

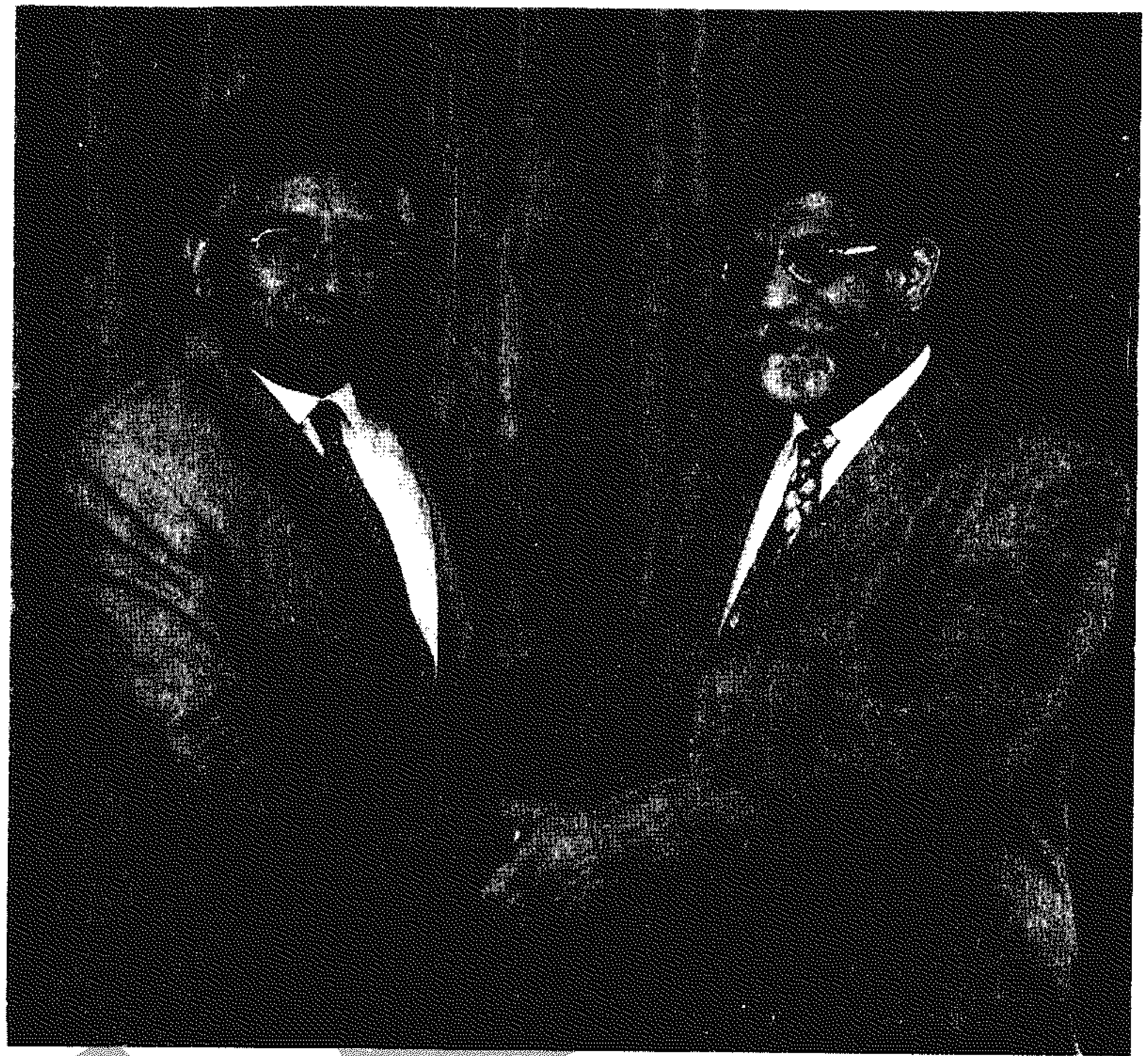

مشرف اور میاں محمد سومرو کی یادگار تصویر

عوام کی اکثریت بے نظیر بھٹو کے قتل کا ذمہ دار پرویز مشرف کو سمجھتی ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

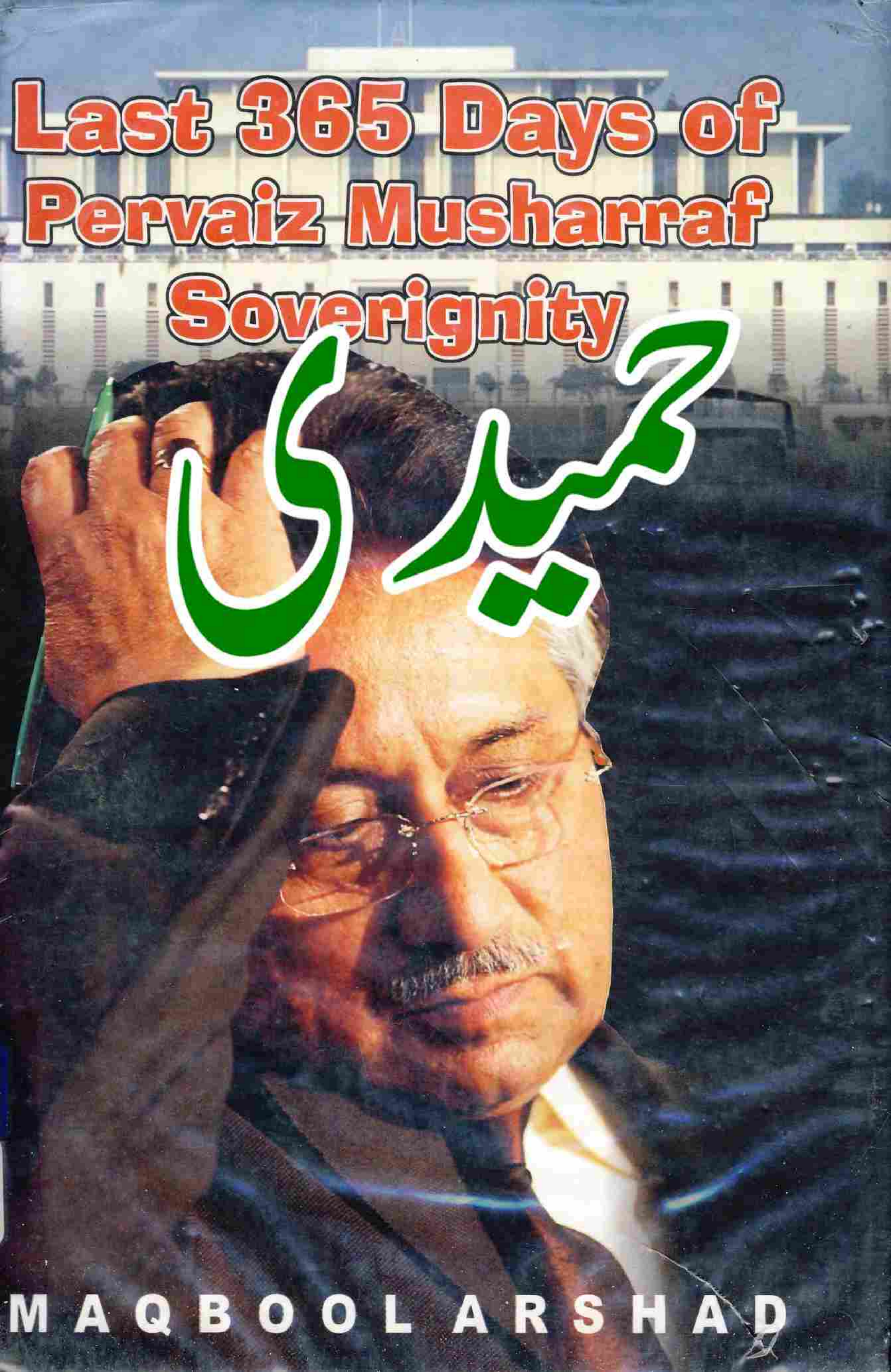
Last 365 Days of
Pervaiz Musharraf
Soverignity
حمیدی
MAQBOOL ARSHAD